يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

مرکزِ ملت ← لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ → مرکزِ ملت

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو اور اس سے علیٰحدہ مت ہو

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

بات مانو اللہ و رسولؐ کی جب تمہیں ان کے طرف بلائے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکز۔ مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لئے کہ

جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

(فرمان رسولؐ)

جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں!

لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ

(قول حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت ایکہ گوئی لا الٰہ
با ہزاران چشم بودن یک نگاہ
بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

دہلی

(دورِ جدید)

مرتب
محمد عثمان!
جلد (۱)

بدل اشتراک
پانچ روپیہ سالانہ
فی پرچہ ۸
شمارہ ۵ بابت ستمبر ۱۹۳۸ء

فہرست مضامین

۱	گوہر نایاب	علامہ اقبالؒ کی ایک غیر مطبوعہ رباعی	۳
۲	لمعات	مدیر	۴-۱۴
۳	چند شکوک اور انکا ازالہ	جناب رازی	۱۵-۲۷
۴	قرآن اور قرآنی دلائل۔	ادارہ	۲۸-۳۵
۵	اُردو ہندی کا مسئلہ	جناب محمد اکرم خاں صاحب مدیر شمس	۳۶-۵۱
۶	حقائق و عبر	ادارہ	۵۲-۶۳
۷	دامان باغبان	دیدہ ور	۶۴-۷۶
۸	بصائر	ادارہ	۶۸-۷۰
۹	رعب فرنگ	جناب اسد صاحب ملتانی	۷۱
۱۰	تقریظات	ادارہ	۷۲
۱۱	معارف القرآن	جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز	۷۳-۸۸

گوہرِ نایاب

(ہمیں دائرہ طلوعِ اسلام کے ایک ممتاز رکن کی کرم گستری سے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی ذیل کی غیر مطبوعہ رُباعی موصول ہوئی ہے جسے ہم بجمال فخر و مسرت شائع کرتے ہیں۔ طلوعِ اسلام کو اس بات پر بجا طور پر ناز ہے کہ اس کا "نالہ صبحِ مسجد" کے اندر بھی ہے اور یہ بھی اُمید کیجا سکتی ہے کہ بعونہٖ تعالےٰ اس کا "دل مُلّا" بھی پگھل جائیگا۔ مدیر)

بیا تا کارِ ایں اُمّت بسازیم

قمارِ زندگی مردانہ بازیم

چناں نالیم اندر صحنِ مسجد

کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم

(اقبال)

لمعات

بعض حضرات کو شکایت ہے کہ وہ اسلامی جرائد و رسائل جو غیر مخلوط اسلامی جماعتی زندگی کے نصب العین کے حامی ہیں۔ ہندوؤں کے طرز عمل کے خلاف تو شدت سے نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن انگریز (برطانوی حکومت) کے خلاف کچھ نہیں کہتے جہاں تک طلوع اسلام کا تعلق ہے ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس اصول کے ماتحت یہ ہندوؤں کی اس سازش کی مخالفت کرتا ہے جس کی رو سے وہ ہندوستان سے اسلامی تہذیب تمدن بلکہ مذہب تک کو مٹا دینے کی فکر میں ہیں۔ اسی اصول کے ماتحت وہ انگریز یا دنیا کی کسی اور قوم کی اس روش کے خلاف ہے جس کی رو سے اسلام کے کسی مفاد پر ادنیٰ سی بھی زد پڑتی ہو۔ لیکن ہر بات کے کہنے کا ایک محل ہوتا ہے۔ وہ دور جس میں ہندوستان میں برطانوی حکومت مسلمانوں کی تخریب میں مصروف عمل تھی۔ اب ختم ہو رہا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا دور حکومت آ رہا ہے۔ برطانوی حکومت کے خلاف تنقید کرنے کا زمانہ وہ تھا جب اس کی ہوس جوع الارضی ہندوستان سے اسلامی تہذیب تمدن کے مٹا ڈالنے کے درپے تھی۔ اس زمانہ میں تو ہمیں "برکات عہد انگلشیہ" کے قصیدے پڑھائے جاتے رہے اور جب اسلامی تہذیب و تمدن پوری طرح سے مٹایا جا چکا۔ اور اب جبکہ عنان حکومت ہندو کے ہاتھ میں دی جا رہی ہے تو مسلمانوں کو ہوش آیا کہ برطانوی حکومت کی ضرور مخالفت کرنی چاہیئے۔ برطانوی حکومت یا کسی غیر اسلامی حکومت کی تو سب سے بڑی مخالفت خود مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی اور کی حکومت قبول نہیں کر سکتا اور طلوع اسلام اسی ایمان محکم کی نشر و اشاعت کے لیئے وجود میں آیا ہے۔ مصیبت دراصل یہ ہے کہ مسلمان میدان سیاست میں بری طرح بھولا

کھلاڑی واقع ہوا ہے۔ برطانوی حکومت کے ابتدائی عہد میں مشن کے ہسپتال۔ اسکول نہریں۔ سڑکیں۔ ریل۔ تار۔ ڈاکخانہ یہ سب "ہمدردیِ نوعِ انسانی" کے کارہائے نمایاں ایسے اس آنے والی حکومت کو "آسمانی بادشاہت" بنا کر دکھا رہے تھے۔ اب وہ دَور ختم ہو رہا ہے تو اسے اُس گزرے ہوئے دور کی تلخ کامیاں یاد آ رہی ہیں لیکن آنے والے دور کے متعلق کسان کی مصیبت۔ مزدور کی فلاکت۔ غریبوں کا افلاس "مشن کے ہسپتالوں" کی جگہ لے رہا ہے اور مسلمان پھر آنے والے خطرات سے غافل ہے۔ طلوعِ اسلام نہ ہندو کا مخالف ہے نہ انگریز کا۔ بلکہ یہ مخالف ہے ہر اُس روش و عمل کا جو مسلمانوں کی تخریب کے لیئے بروئے کار آئے اسی لیئے اس کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کو آنے والے خطرات سے بروقت آگاہ کر دے کہ کسطرح ع

تری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

ہمارے کانگریسی ہندو بھائی بڑے ہی عالی حوصلہ وسیع النظر اور کشادہ ظرف واقع ہوئے ہیں۔ کوئی انکی ایثار پیشگی کا تجزیہ تو کر کے دیکھے کہ کسطرح بکری مانگنے والے کو اونٹ دیتے ہیں! ذراسی۔ پی کی وزارت کا تجزیہ کیجئے۔ ابتدا میں وزارت مرتب ہوتی ہے مگر ایک مسلمان بھی اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ طویل عرصہ تک یہ ہندو وزارت سی پی کے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتی رہی مگر گزشتہ مہینہ میں وزیر اعظم ڈاکٹر کھرے کو کیا سوجھی کہ اپنے بعض رفقا سے اختلاف کر کے وزارت سے مستعفی ہو بیٹھے۔ حالانکہ کانگریس نے انھیں حکم بھی بھیجدیا تھا کہ دیکھنا بغیر اجازت ایسی غیر آئینی حرکت کا ارتکاب نہ کرنا۔ مگر انھوں نے استعفٰے دیدیا اور پھر گورنر سے ساز باز کر کے ایک نئی وزارت مرتب کر ڈالی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اس نئی وزارت میں بھی کسی مسلمان کو نہیں لیا گیا۔ اس کے بعد کانگریس کے دباؤ سے پھر انھیں وزارت کی کرسی کو خیر باد کہدینا پڑا اور کانگریس نے معاملہ کو

ہاتھ میں لیکر اپنی نگرانی میں ایک اور کانگریسی وزارت مرتب کر لی جو اسوقت برسر اقتدار ہے اس وقت بھی وزارت میں کسی ایک مسلمان کو لینا کانگریس پھر بھول گئی گویا قدرت نے کانگریس کو موقع دیا کہ وہ جب نہیں تو اب کسی مسلمان کو وزارت میں لے لے مگر کانگریس نے جو اعلیٰ اُصولوں کی پابند ہے اس بے اُصولی کو گوارا نہ کیا اور یہ دکھا دیا کہ اسلام دشمنی میں استواری اسے کہتے ہیں!

فرمائیے۔ اگر آج سی۔ پی میں سیواجی مرہٹہ کی حکومت قائم ہوتی یا ڈاکٹر مونجے اور بھائی پرمانند وہاں کے وزیر اعظم ہوتے تو اس سے زیادہ کیا کرتے جو کانگریس نے کیا؟ مگر کانگریسی مسلمان اِسپر بھی مطمئن ہیں یہاںتک کہ کانگریس کے طرزِ عمل کی صحت پر ہر وقت مباحثہ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم یہاںتک لکھ چکے تھے کہ اس سلسلہ میں مولانا آزاد کا ایک بیان نظر سے گزرا جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میں انقطاعی طور پر یہ ذہن نشین کرا دینا چاہتا ہوں کہ ایک مُسلم وزیر کے تقرر کے لئے جو نشست سی۔ پی وزارت میں خالی رکھی گئی ہے اسے جلد ہی پُر کیا جائے گا۔ گویا سی۔ پی وزارت میں تین بار ردوبدل ہونے کے بعد کہیں مُسلم وزیر کے تقرر کا خیال دامنگیر ہوا ہے ع

عمرت دراز باد کہ این ہم غنیمت است

بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ کانگریس کسی شخص کے مذہب۔ کلچر۔ عادات و رسوم میں مداخلت نہ کریگی اور ہر فرد اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے میں آزاد ہوگا۔ مگر سوامی سمپورانند وزیر تعلیم یو۔ پی برملا کہتے ہیں کہ جب تک ہندوستان کی ہندو مُسلم تہذیبوں کو مٹا کر ہندی تہذیب کی بنیاد نہ ڈالی جائے گی قومیت متحدہ کی تشکیل محال ہے! یہ ہے ہر مذہب کے کلچر کی حفاظت کا ثبوت اور یہ ہے کراچی کے کانگریسی ریزولیوشن کی عملی تشریح!

نبی گنج ضلع مونگیر میں زبردستی مُسلمانوں سے دستخط لیئے گئے کہ وہ اپنے قصبہ میں

نہ تو گائے کا گوشت لا ئینگے اور نہ اسے استعمال کرینگے۔ اسپر بہار اسمبلی میں مسٹر یونس کی طرف سے تحریک التوا بھی پیش کی گئی تھی (ہندوستان ٹائمز ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء) جسکا خبر نہیں کیا حشر ہوا۔ اور بہار کی کانگریسی گورنمنٹ نے اسپر کیا کارروائی کی۔

احمد آباد کی خبر ہے کہ وہاں کانگریسی گورنمنٹ نے اعلیٰ ذات کے ہندو ہوٹلوں میں اچھوتوں کو داخل ہونے کی اجازت دیدی ہے اور سناتن دھرمیوں کے مذہبی جذبات کو پامال کر کے ایک ایسا حکم نافذ کیا ہے جو صریحاً مذہب میں مداخلت کے مرادف ہے۔ چنانچہ احمد آباد کے ڈیڑھ ہزار ہوٹلوں نے اس حکم کے خلاف بطور احتجاج ہڑتال کر دی اور مالکوں نے ایک جلسہ میں حکومت پر واضح کیا کہ

" اونچی ذات کے ہندوؤں نے ہمارے ہوٹلوں کا بائیکاٹ کر دیا ہے کیونکہ حکومت نے ہماری پوزیشن خراب کر دی ہے اور اس فیصلہ سے ہماری تجارت تباہ ہو رہی ہے صدر جلسہ نے یہ بھی کہا کہ خود گاندھی جی بھی سہ بھوج (اچھوتوں کے ساتھ ملکر کھانا کھانا) کو پسند نہیں کرتے پھر ہمکو اسپر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے؟" (تیج ۱۳ اگست ۱۹۳۸ء)

چونکہ چھوت چھات ہندو مذہب کا لازمی جزو ہے اس لئے اونچی ذات کے ہندو اچھوتوں کے ہمراہ کھانا پسند نہیں کرتے۔ مگر کانگریسی گورنمنٹ کا طرز عمل دیکھو کہ اس کے ایک ہاتھ میں کراچی والا ریزولیوشن ہے اور دوسرے ہاتھ میں اس کو ذبح کرنے کے لئے تیز چھری ہے جب ہندو یہ کہتے ہیں کہ چھوت چھات ہمارا مذہبی مسئلہ ہے تو کانگریس کو اس میں مداخلت کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کانگریس ہندوؤں کو مساوات اور رواداری کی حمایت مقصود نہیں بلکہ انھیں یہ اندیشہ کھائے جا رہا ہے کہ کہیں مظلوم اچھوت ہندو دھرم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں اور اس طرح ہندوؤں کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو جائے لیکن معاملہ کی سطح پر ہی نگاہ نہ رکھیئے بلکہ ذرا اور گہرائی میں اتر جائیے اور دیکھئے کہ واقعات آپ کو کس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں جب کانگریس مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرتی ہے

تو اس غرض سے کہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا تحفظ کیا جائے اور اسلامی شعائر کو مٹایا جائے۔ اور جب وہ قدامت پرست ہندوؤں کے "مذہبی" معاملات میں دخل انداز ہوتی ہے تو اس مقصد کے لیئے کہ ہندو قومیت کا تحفظ ہو یعنی ہندو اور مسلم تہذیبوں کو مٹانے کے بعد جو جدید "ہندی" تہذیب مرتب کیجائے گی اس کے اجزائے ترکیبی حسب ذیل ہونگے۔

(پراچین تہذیب منفی اس کے تمام نقائص جمع اسلامی تہذیب منفی وہ تمام باتیں جو ہندو تہذیب کے خلاف ہوں۔) ہندی تہذیب

پنجاب گورنمنٹ نے فاقہ کش کسانوں اور تباہ حال مقروضوں پر ترس کھا کر جو بل منظور کیئے ہیں انھوں نے سود خوار مہاجنوں پر ایک بجلی سی گرا دی ہے۔ پنجاب کا مہاجن یہ دیکھ کر کہ فاقہ کشوں کی مصیبتوں کا کسی حد تک خاتمہ ہونے والا ہے خودکشی پر آمادہ ہوگیا ہے اور ڈاکٹر نارنگ کی سرکردگی میں اس نے پنجاب گورنمنٹ کو چیلنج دیدیا ہے!

ہمیں مخالفوں کی مخالفت کا جائزہ لیتے ہوئے بڑی عبرت حاصل ہو رہی ہے۔ ان میں اکثر لوگ وہ ہیں جو کانگریس کے پلیٹ فارموں پر کسانوں کی ہمدردی میں آنسو بہاتے رہے ہیں مگر آج وہ سرمایہ دار مہاجنوں کی صف میں کھڑے ہو کر یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ انکا سابقہ طرز عمل ریاکاری اور زمانہ سازی پر مبنی تھا اور وہ دراصل خود سرمایہ دار ہیں سرمایہ دار انکے ایجنٹ ہیں اور غریبوں کو زندہ درگور کر کے صرف اپنی زندگی کی خیر منا رہے ہیں۔ لائلپور کی غیر زراعت پیشہ کانفرنس میں ڈاکٹر نارنگ نے جو بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا ہے وہ ہم نے حیرت کے ساتھ اوّل سے آخر تک پڑھا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ دُنیا میں اہمسا کی دعویدار قوم سے زیادہ کوئی ظالم اور سنگدل قوم نہیں ہے! اَللّٰہُ اَکبرُ! غریب طبقہ دو روٹی مانگتا ہے مقروض اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں اور کسان منڈیوں کو بھرپور رکھنے کے لیئے زمین کی

سہولتوں کے طلبگار ہیں، مگر مہاجنی طبقہ جو سیکڑوں سال سے ان غریبوں کا خون چوستے چوستے قہر و ستم کا مظہر اتم بن گیا ہے۔ اس حالت کو دیکھ دیکھکر آگ پر لوٹ رہا ہے! ہمیں یقین ہے کہ اس جنگ میں حق و انصاف کی فتح ہو گی اور ظالم اگر خود راہ راست پر نہ آئیں گے تو زمانہ انھیں راہ راست پر آنے پر مجبور کریگا۔

مسٹر میکڈونلڈ یکایک فلسطین کی گلیوں میں گشت کرتے ہوئے دیکھے گئے! معلوم نہیں کہ ارض مقدس کی زیارت سے موصوف کا مقصد کیا ہے اور انھوں نے روپوش ہو کر گلیلی، بیت اللحم اور ناصرہ کا معائنہ کرنے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی؟ دو روز کے قیام کے بعد آپ نے فلسطین کے باشندوں کو ایک پیام دیا ہے فرماتے ہیں کہ "ہمارا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں امن و امان قائم ہو اور ان لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جائے جو اس سرزمین پر بستے ہیں"۔ میکڈونلڈ ایسے بھولے شخص کو شاید یہ معلوم نہیں کہ ارض مقدس میں امن و امان کا قیام اعلان بالفور کی تنسیخ اور عربی حکومت کی تاسیس پر مبنی ہے! برطانیہ اہل فلسطین کے ساتھ انصاف کرے گی! بہت خوب مگر اس نے عربوں اور یہودیوں کے معاملہ میں جو روش اختیار کر رکھی ہے اس نے برطانیہ کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ ظالم اور مظلوم کے ساتھ انصاف کر سکے اگر عربوں کے ساتھ انصاف ہوگا تو برطانیہ کا جگر کباب ہوگا کہ ہائے یہودیوں کے ساتھ بے انصافی کی گئی! رہا یہودیوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ سو وہ تو برطانی نقطۂ نگاہ سے برابر ہو رہا ہے۔ انکے متعلق یہ کہنا کہ انکے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ لفظ "انصاف" کی بدترین توہین ہے۔

کس قدر شاندار لفظ ہے "انصاف" جب بم کے گولوں کے ساتھ اس کا استعمال ہو مگر کس قدر بے معنے ہے "انصاف" جب مظلوم اس کی دہائی دے۔

یہ تو تھا مسٹر میکڈونلڈ کا "انصاف" جو انگلستان سے بڑی احتیاط کے ساتھ فلسطین پہنچایا گیا ہے

اب ذرا ملاحظہ کیجئے ہائی کمشنر کی اس تقریر کو جو آپنے انصاف کی فضا میں براڈ کاسٹ کی ہے، آپ عربوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"تقسیم فلسطین کمیشن کی سفارشات اور ملک معظم کے آخری فیصلوں پر تشدد اور خونریزی سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔"

یعنی عرب جو چاہیں کرلیں۔ برطانیہ اپنے خطرناک فیصلوں کا ضرور نفاذ کرے گی! یہ ہے میکڈونلڈ کا انصاف جسکا اظہار انھوں نے ہائی کمشنر کی تقریر دلپذیر میں کرایا ہے۔ خدا رحم کرے، "انصاف" پر جو ہوس ملک گیری کے صدقہ میں "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق بنکر رہگیا ہے۔!

اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کا مسلمان بے بس و مجبور ہے اور اس کے پاس کوئی ایسی قوت نہیں جس کے سامنے انگریز کی اس سبعیت و بربریت کو جھکنا پڑے لیکن ان فراعنہ و نمارید برطانیہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فلسطین کا مسئلہ محض ہندوستان کے غلام مسلمانوں کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ یہ تمام روئے زمین کے ۴۵ کروڑ مسلمانوں کا مسئلہ ہے جن کے جذبات کا احترام نہ کرنا قہر آسمانی کو دعوت دینا ہے چہ عجب کہ وہ چٹان جس پر برطانیہ کے جاہ و حشمت کی کشتی ٹوٹنے والی ہو فلسطین کے خشک سمندر میں ہی کہیں چھپی ہوا!

بقول پنڈت جواہر لال نہرو اور بابو سوبھاش چندر بوس۔ آئندہ قومی حکومت اشتراکیت کی بنیادوں پر قائم ہوگی جو لوگ اشتراکیت کی حقیقت سے واقف ہیں وہ اس کھلی سازش کا ادراک کرکے سہم جاتے ہیں کیونکہ اشتراکیت اور دہریت لازم ملزوم ہیں مگر ہمارے ناواقف علماء یہ کہکر دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ اشتراکیت ایک معاشی نظام ہے اس کو دین اور مذہب سے کیا تعلق؟ کاش ہمارے علماء کو اشتراکیت کے سرچشمہ تک رسائی حاصل ہوتی اور وہ مارکس انجلز اور لینن کے نظریات سے براہ راست واقفیت حاصل کرتے! ان بیچاروں کو پتہ ہی نہیں کہ اشتراکیت زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور اس کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ انسان کے

مادی حکومت کے علاوہ مذہب اخلاق کی بھی کوئی حکومت قائم ہو اور ایمان بالغیب انسانی ضمیر کی تشکیل میں کوئی حصہ لے مگر ہمارے قومیت پسند علماء کو یقین ہی نہیں آتا کہ اشتراکیت اپنے جابر و قاہر نظام کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے ہم ان ناواقفوں کی توجہ ذیل کی عبارت کیطرف دلائیں گے۔ اخبار "ہندوستان" جو کانگریس کا نیم سرکاری اخبار ہے۔ اس میں اشتراکیت کے بانی "کارل مارکس" پر ایک مضمون "سردار جعفری" کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ سطور ذیل اسی مضمون کا اقتباس ہے سردار جعفری اشتراکیت کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وہ خیالات جو مارکس نے اپنی کتاب میں پیش کیے ہیں مجموعی حیثیت سے مارکزم کہلاتے ہیں اس چھوٹے سے مضمون میں ان خیالات کا تجزیہ ممکن نہیں ہاں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکے ماتحت انسانی زندگی مداری کے تماشہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ فوق الفطرت قوتوں کے زیر اثر نہیں ہوتی انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا مذہب۔ اخلاق۔ قانون۔ حکومت۔ سیاست سب ایک ہی سلسلہ کی بہت سی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں ... "تاریخ انسانی، ذرائع پیداوار کی تبدیلیوں کی ایک مسلسل داستان ہے جس میں ایک طبقہ کے بعد دوسرا طبقہ اقتدار حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس طرح ماضی و حال کی پوری تاریخ طبقہ وار جنگ کا ایک سلسلہ ہے۔ وہی طبقہ حکمراں ہوتا ہے جو ذرائع آمدنی پر قابض ہوتا ہے۔ ریاست اس طبقہ کی پشت پناہ ہوتی ہے اور مذہب قانون اسے قوت بخشتے ہیں۔" (مورخہ ۱۳ جولائی جلد ۳ صفحہ ۶ کالم ۲)

اشتراکیت کا یہ متن تفسیر و تشریح کا محتاج ہے۔ مگر ہم علماء کی بصیرت پر بھروسہ رکھتے ہوئے توقع کرتے ہیں کہ وہ خود ہی اس کی تشریح فرما کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچیں گے۔

چونکہ ہندوستان کا آئندہ نظام حکومت اشتراکیت کی بنیادوں پر قائم ہو گا۔ اس لیے اس مسئلہ کی اہمیت طلوع اسلام کے پیش نظر ہے۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں ہم اس مسئلہ پر مفصل و مبسوط مضمون شائع کریں گے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ روس کی اشتراکیت کیا ہے اور اسلام کی

صحیح اشتراکیت کیا ہے اور ایک سچا مُسلمان ایک سچا اشتراکی" کسطرح بن سکتا ہے۔ وماتوفیقی الا باللہ

حیرت اور تعجب نہ کیجئے کہ رنگون میں فساد ہو گیا جسمیں سو سے اوپر مسلمان مارے گئے اور کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا۔ اگر وہاں فساد نہ ہوتا تو یقیناً حیرت ہوتی کیونکہ وطن کی تقسیم کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ دلوں سے انسانیت کا احترام اُٹھ جائے اور وطن کی پوجا میں انسان کی حالت حیوان سے بدتر ہو جائے۔ برہما آج سے کچھ ہی پہلے ہندوستان کا ایک حصّہ تھا مگر انگریز کے پُراسرار ارادہ نے اسکو ہندوستان سے جُدا کر دیا اور ان وطن پرستوں کو جو وطن کی تقسیم کو فطری او نیچرل قرار دیتے ہیں برطانیہ کی ڈپلومیسی نے ایسا جواب دیا کہ وہ دیکھتے ہی رہ گئے اور انکا نظریہ وطن جڑ سے اُکھڑ الگ جا پڑا رنگون کے مُسلمانوں پر بظاہر بدھوں نے مگر بہ باطن کسی اور نے وہ قیامت توڑی ہے جس کی یاد شاید سیکڑوں سال گزرنے پر بھی تازہ رہیگی۔ نہ مسلمانوں کی جانیں محفوظ رہیں انکی املاک باقی رہیں اور نہ مساجد اللہ کی حرمت و عزّت کا خیال کیا گیا۔ یک بیک ایک قیامت آئی اور بیسیوں بے گناہوں کو ہلاک اور ہزاروں کو زندہ درگور کر گئی! یہ پہلا ثمرہ ہے برہما کو ہندوستان سے جُدا کرنے کا یا یوں کہو کہ ہندوستان سے برما کو جُدا کرنیکا جو مقصد تھا وہ بغیر ظاہر کے بہت جلد پورا ہو گیا ہم کاغذ کی سطح پر برما کی مظلوم آبادی سے لفظی ہمدردی کے سوا اور کیا سلوک کر سکتے ہیں؟ کانگریس اب تک خاموش ہے اسکے کشکول میں شاید لفظی ہمدردی کا بھی کوئی ٹکڑا باقی نہیں رہا ہے رہے انگریز سو انکا گلہ اس لئے بیجا ہے کہ مرنیوالوں میں سوائے ہندوستانیوں کے اور کوئی نہ تھا انکی رگِ غیرت تو اسوقت پھڑکتی جب لاشوں کے انبار میں چند سفید سفید لاشے بھی نظر آتے! کاش اس خونی حادثہ کا آئندہ اعادہ نہ ہو اور ہمارا یہ خیال غلط ہو کہ یہ فساد آئندہ فسادات کی ایک "شاندار" تمہید ہے۔ ہندوستان اور برما کی علیحدگی پر ذرا قیاس فرمائیے فلسطین کی تقسیم کو کہ تقسیم سے پہلے ہی وہاں قیامت برپا ہے اور جب ارض مقدّس تقسیم در تقسیم کی عملی شکل اختیار کریگی اُس وقت جو حشر وہاں برپا ہوگا اس کی صحیح تعبیر کے لئے کوئی لفظ خود ہی ایجاد کر لیجئے!

اسکندرونہ جو شامی ترکی سرحد پر واقع ہے اور بحر روم کی حفاظت کا ایک بہترین قلعہ ہے بڑی جدوجہد کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آگیا اور فرانس کو بہزار ذلت ترکی جمہوریت کے سامنے جھکنا پڑا۔ یہ مقام مملکت شام کا ایک حصہ ہے اور آبادی کے لحاظ سے اسکا تعلق عربوں سے ہے عربوں کی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد شام کو جو آزادی حاصل ہوئی ہے اسکو غلامی کی ایک دوسری شکل سمجھنا چاہیئے۔ فرانس نے اپنے معاہدہ میں اس مقام کو اپنا فوجی مستقر ظاہر کیا تھا جو بلاشبہ آئندہ چلکر ترکوں کے لئے بغل کا پھوڑا ثابت ہوتا۔ ترکوں نے جو اب یورپین طاقتوں کی ڈپلومیسی کو خوب سمجھ گئے ہیں اس خطرہ کا احساس کیا اور سمجھ گئے کہ یہ علاقہ آزادی کے بعد بھی عربوں کے قبضہ میں نہیں رہ سکتا اسپر اپنی سیادت کا دعویٰ کر دیا اور قدیم معاہدوں اور دستاویزوں کی ایسی تشریح کی کہ فرانس کے ہوش اڑ گئے۔ آخر جمعیۃ اقوام کی مداخلت سے معاملہ کچھ سلجھا اور اسکندرونہ پر ترکوں کا کسیقدر حق سیادت تسلیم کرلیا گیا۔ مگر ترک جو کامیابی کا راز اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ اس نام نہاد سیادت پر راضی نہ ہوئے اور فرانس کو جنگ کا الٹی میٹم دیدیا اور جمعیۃ اقوام کو بھی دھمکی دیدی کہ اگر اس نے اس معاملہ میں ذرا بھی جانبداری کا ثبوت دیا تو ترکی جمہوریت اسکو طلاق دیدیگی مختصر یہ کہ فرانس نے اپنی مجبوریوں کا اندازہ لگا کر ترکوں کے مطالبات تسلیم کرلئے اور انکو وہ حقوق دیدیئے جو شاید کسی کمزور حکومت کو دس سال کی جنگ کے بعد بھی حاصل نہ ہوتے۔

اس معاملہ میں ترکوں کو فتح ہوئی اور فرانس کو ہزیمت و شکست! فرانس نے ترکوں کے سامنے اس لئے سر نہیں جھکایا کہ حق و انصاف کا اقتضا بھی یہی تھا۔ کیونکہ مغرب کی زبان میں انصاف کے معنی وہ نہیں ہیں جو عام طور پر اخلاقی اور مذہبی دنیا میں سمجھے جاتے ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں طاقت فوجی قوی کا استحکام۔ قوم کی عزیمت و استقامت جس قوم میں یہ تمام اوصاف موجود ہوں گے وہ ڈنڈے کے زور سے سب کچھ منوالے گی اور یورپ بقائمی ہوش و حواس اسپر دستخط کردیگا کہ "یہ حق ہے۔ انصاف ہے" غریب حبش اسی لئے مارا گیا کہ وہ ان اوصاف سے معرا تھا اور اٹلی اسکی کمزوری کو سمجھتا تھا۔ ترک دردانیال اور اسکندرونہ کے بارے میں اس وجہ سے کامیاب ہوگئے کہ انھوں نے

ڈھیلے کا جواب اینٹ اور پتھر سے دینا سیکھ لیا ہے۔ اب اگر اسلام یہ کہتا ہے کہ حق و انصاف کے لئے مسلمانوں کو ہر قوت کیساتھ مقابلے کیلئے مستعد اور تیار رہنا چاہیئے اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لئے خدا کی بخشی ہوئی طاقتوں کو استعمال کرنا چاہئے تو اسپر تلملانے کی کیا بات ہے! افسوس آج ہمکو اسلام کی اس تعلیم سے خود شرم آنے لگی ہے اور بڑے بڑے مجاہد جنکا نعرہ تھا ذروۃ سنامہ الجہاد (اسلام کی بلندی جہاد سے ہے) وہ اب اہنسا کے فلسفہ پر فریفتہ ہونے لگے ہیں!

طلوع اسلام کی شروع سے ہی حالت یہ ہو رہی ہے کہ داماں نگاہ تنگ و گل حسن تو بسیار۔ کئی ایک ضروری مباحث ہیں جو سامنے ہیں لیکن ایک ماہوار رسالہ کے محدود صفحات انکے کفیل نہیں ہو سکتے کئی ایک عنوانات ایسے ہیں جنہیں ہم مستقلاً شروع کرنا اور التزاماً جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن وہ بھی (سوائے معارف القرآن کے) عدم گنجائش کے گلہ سنج ہیں۔ بہر حال دو موضوع تو ایسے ہیں جنہیں ہم اب زیادہ عرصہ تک معرض التوا میں نہیں رکھنا چاہتے۔ یعنی

(۱) پیام اقبال اور قرآن کریم۔ از جناب پرویز

اور (۲) تشریح مثنوی اسرار و رموز۔ از جناب خان محمد یوسف خان سلیم چشتی۔

بتوفیق ایزدی ہم اکتوبر کے پرچہ سے اس سلسلہ کو باقساط شروع کریں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ

یہ رسالہ مشہور متکلم اسلام جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز کے قلم سے حال ہی میں نکلا ہے اور جناب اکبر خانصاحب کیمبل پور نے اسکو چھپوا کر مفت شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں مسائل زکوٰۃ، صدقات خیرات کے فلسفہ پر سیر حاصل بحث کیگئی ہے جس کا مطالعہ ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے

محصول ڈاک ۱؎ ارسال فرما کر مفت طلب کیجئے

محمد اکبر خانصاحب ارشد منزل کیمبل پور

چند شکوک اور اُن کا ازالہ!

(از جناب رازی)

سوال کیا جاتا ہے کہ جب قرآن کریم میں حکم ہے کہ تعاونوا علی البر والتقویٰ (نیکی اور خدا ترسی۔ تقویٰ۔ کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو) تو مسلمانوں کو کانگرس کے ساتھ ضرور اشتراک عمل کرنا چاہیئے کیونکہ اسکے پروگرام میں تو بہت اچھے اچھے کام شامل ہیں۔

پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس بات کا فیصلہ کون کرے کہ فلاں معاملہ "بر و تقویٰ" کا ہے اور فلاں "اثم و عدوان" کا۔ ایک کانگریسی مولوی صاحب نے اس بات کے جواب میں فرمایا کہ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ "بر و تقویٰ" کا کون سا معاملہ ہے۔ لیکن اُن سے کوئی پوچھے کہ جس چیز کو آپ دین میں تشتت و افتراق۔ انتشار و اختلاف کہتے ہیں جس کا رونا آج ہر شخص رو رہا ہے۔ اور جسے قرآن کریم شرک قرار دیتا ہے کیا وہ اسیوجہ سے نہیں کہ ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ "بر و تقویٰ" کی بابت خود فیصلہ کرے جس راہ کو اچھا سمجھے اُسے اختیار کرلے اور جسے بُرا سمجھے اُسے چھوڑ دے۔ آپ شریعت کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کے متعلق تو یہ حکم دیتے ہیں کہ کسی خاص مسلک کے ماتحت چلو لیکن اتنے عظیم الشان مسئلہ میں یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اپنے ذہن کے مطابق اسکا فیصلہ کرلے۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ دین کی اصلِ عظیم یعنی جماعت اور مرکز کی زندگی کا تخیل نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ جب جماعت اور اسکا مرکز موجود ہو تو بر و تقویٰ اور اثم و عدوان کا فیصلہ وہاں سے ہوا کرے یہی مسلک عین اسلامی مسلک ہو سکتا ہے چھوٹے چھوٹے انفرادی معاملات میں تو اس کی ضمنی اجازت ہو سکتی ہے کہ ہر شخص بر و تقویٰ کا خود فیصلہ کرلے۔ مثلاً آپ چلے جا رہے ہیں۔ راستے میں دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ کنوئیں میں گر گیا ہے۔ کچھ لوگ اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ بھی ان سے

تعاون کیجیے۔ لیکن جن معاملات کا اثر آپ کی قوم کی موت اور زندگی پر پڑتا ہو اُن کی نسبت اگر آپ ہر شخص کو اجازت دیدینگے کہ جو مسلک چاہے اختیار کرے تو تصور فرمایئے کہ نتیجہ کیا ہوگا؟ کیا کوئی شخص عہد رسالتمآب صلعم میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا بتا سکتا ہے کہ جماعتی معاملات میں کسی مسلمان کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ اپنا مسلک خود اپنے ذہن سے متعین کرے؟ کانگرس کے پروگرام میں بے شک مُلک کی اقتصادی حالت کی اصلاح۔ مزدوروں اور کسانوں کی غربت اور افلاس دُور کرنے کی تجاویز شامل ہیں اور ان سے اگر مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو ان امور میں اشتراکِ عمل ضرور کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں سے بڑھ کر کمزور اور غریب کا ہمدرد اور کون ہوسکتا ہے؟ لیکن اگر اس اشتراکِ عمل کے لیے اوّلین شرط کوئی ایسی ہو جو اصُولاً آپ کے مذہب کے خلاف ہو تو کیا اس وقت بھی آپ اس اشتراکِ عمل پر آمادہ ہو جائیں گے؟ کانگرس میں اشتراکِ عمل کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس میں شامل ہونے والا ہندوستان میں "متحدہ قومیت" پیدا کرنیکا حامی ہو اور جیسا کہ جولائی ۱۹۳۸ء کے پرچہ میں بصراحت بیان کیا جا چکا ہے۔ مسلم وغیر مسلم کی "متحدہ قومیت" کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے اب فرمایئے کہ ایک مسلمان ایسی شرط کو تسلیم کرکے جس سے وہ اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ کمزوروں و غریبوں کی ہمدردی میں اشتراکِ عمل کیسے کر سکتا ہے؟

ہندوؤں کے ساتھ اشتراکِ عمل کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ نبی اکرمؐ نے مدینہ کے یہودیوں سے اس قسم کا اشتراک کیا تھا۔

"جب رسول کریمؐ نے مدینہ میں جمہوری اتحاد قایم کرنے کے لیے غیر مسلم قبائل سے اتحاد کیا تھا تو یہاں غیر مسلموں سے ملکر جمہوری نظام کے لیے اتحاد قایم کرنا اور اُن سے ملنا کیوں جائز نہیں"

(تقریر مولانا حسین احمد صاحب مدنی۔ مطبوعہ زمزم۔ ۷ر جولائی ۱۹۳۸ء)

اس میں دو ٹکڑے قابل غور ہیں۔ نبی اکرمؐ نے مدینہ کے غیر مسلم قبائل سے "جمہوری اتحاد" قایم کیا تھا یعنی غیر مسلموں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر مدینہ پر باہر سے کوئی غنیم حملہ آور ہو تو مسلم و غیر مسلم جماعتیں ملکر اس کا

مقابلہ کریں گی۔ یہ "اتحاد" بالکل تعاون علی البر والتقویٰ کے مطابق تھا لیکن حضرت مولانا اس سے نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ ہندوستان میں "جمہوری نظام" قایم کرنے کے لیے بھی اسی طرح اتحاد کیا جاسکتا ہے یہ نتیجہ غلط ہے "جمہوری اتحاد" اور "جمہوری نظام" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جمہوری اتحاد کے معنی یہ ہیں کہ کسی نیک کام میں مسلم و غیر مسلم جماعتیں باہمی اشتراکِ عمل سے تعاون کریں لیکن "جمہوری نظام" سے یہ مراد ہے کہ ایک ایسا نظامِ حکومت قایم کیا جائے جس میں مسلم (اقلیت) و غیر مسلم (اکثریت) مل کر حکومت کے معاملات کا فیصلہ کیا کریں اور اس مخلوط جماعت کے فیصلے ملک کا قانون بن جائیں جو مسلم و غیر مسلم دونوں پر نافذ العمل ہوں۔ چنانچہ حضرت مولانا اپنی اسی تقریر میں فرماتے ہیں

"ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو مسلم۔ سکھ۔ عیسائی۔ پارسی سب شامل ہوں۔ حاصل کرنے کے لیے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے"۔ (ایضاً)

اس قسم کا "جمہوری نظام" نہ قرآن کریم کی رو سے جائز ہے اور اس لیے نہ ہی اُسوۂ حسنہ میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کے نظامِ حکومت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ ان کے معاملات اُنکے اپنے باہمی مشورہ سے طے پائیں گے کسی غیر مسلم کے مشورہ کا ان میں کوئی دخل نہ ہوسکے گا۔ چنانچہ مدینہ میں خود انہی دنوں جب کہ غیر مسلموں سے وہ "جمہوری اتحاد" قایم تھا جس کا ذکر حضرت مولانا نے فرمایا ہے مسلمانوں کے اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے تھے کسی غیر مسلم کا اس نظام میں کوئی دخل نہ تھا یعنی وہاں "جمہوری اتحاد" تو تھا لیکن "جمہوری نظام" نہ تھا۔ "جمہوری نظام" (یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مخلوط جمہوری نظام) کا تو تصور ہی غیر اسلامی ہے ایسے جمہوری نظام میں ان الحکم الا للہ (حکومت صرف خدا کے لیے ہے) کا اصول کس طرح کارفرما ہوسکے گا؟ خدا کی حکومت کا تو مطلب ہی قوانین الٰہی یعنی شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہے۔ یہ اُس "جمہوری نظام" میں جس میں ہندو مسلم۔ سکھ۔ عیسائی پارسی سب شامل ہوں۔ کیسے ممکن ہوگا؟

پھر یہ بھی دیکھیے کہ مدینہ میں جس "جمہوری اتحاد" کو مسلمانوں نے قایم کیا تھا۔ وہ مسلمانوں نے من حیث الجماعت قایم کیا تھا۔ اُنکے "مرکز" نے غیر مسلموں کی جماعتوں سے معاہدہ کیا تھا۔ انفرادی

طور پر مسلمانوں کو اجازت نہیں دیدی تھی کہ جو مسلک اُنکے نزدیک نیکی اور تقویٰ کا ہے وہ اختیار کر لیں
یہ بھی یاد رہے کہ مسلمان انفرادی طور پر کسی ایسی فرم (کاروباری دُکان) میں شامل ہو سکے گا
جس میں اور حصہ دار غیر مسلم ہوں۔ اور اِس فرم کا نام بھی خواہ مخلوط ہو لیکن وہ کسی ایسے نظام
میں انفرادی طور پر شامل نہیں ہو سکے گا۔ جس نظام کا کام ایسے قوانین وضع کرنا ہو جس کے
ماتحت اسے اور اس کی قوم کو زندگی بسر کرنی پڑے۔ ایسے نظام میں وہ من حیث الجماعت شامل ہو گا
اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسلمانوں کے اپنے معاملات انکے اپنے وضع کردہ قوانین کے ماتحت
فیصل ہونگے۔ مسلم و غیر مسلم کی مخلوط جماعت کا وضع کردہ کوئی قانون آزاد مسلمان پر نافذ نہیں ہو سکتا
اگر کسی کو اس میں کلام ہو تو اپنے دعوے کے اثبات میں سند لائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ کانگریس جب تک "متحدہ قومیت" کی شرط عائد کئے ہوئے ہے مسلمان
اس کے کسی معاملہ میں اشتراکِ عمل نہیں کر سکتا۔ یہی تو بات ہے جسکے لئے مسلمان اپنی الگ جماعت کا
وجود از روئے کتاب و سنّت ضروری سمجھتا ہے۔ ورنہ کمزوروں اور ضعیفوں کی امداد کے لئے کارِ خیر میں کون
شریک نہیں ہونا چاہتا۔

---

(۲)

کہا یہ جاتا ہے کہ آج جب کہ جماعت نہیں۔ مرکز گم ہے تو پھر مسلمانوں کو ان امور میں انفرادی
طور پر ہی حصہ لینا ہوگا۔

اسپر دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا آپکے نزدیک بلا جماعت و مرکز کے مسلمان اسلامی زندگی
بسر بھی کر سکتا ہے؟ اگر، جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب "الخلافت والجزیرۃ العرب" میں ثابت
کیا تھا (ملاحظہ ہو سوراجی اسلام۔ مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت جون ۱۹۳۸ء) آپ کو یہ تسلیم ہے کہ
جماعتی زندگی کے بغیر اسلام ممکن ہی نہیں۔ تو سب سے مقدم یہ ہے کہ وہ زندگی پیدا کرو جو اسلامی کہلا سکے
مگر یہ اسلامی زندگی آج موجود نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اُسکے پیدا کرنے کیطرف توجہ ہی نہ دی جائے

اور جس طرح سے ہندوستان کے مسلمان چلتے آرہے ہیں۔ اسی طرح ان کو چلتے رہنے دیا جائے۔ اگر آپ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں انفرادی طور پر دوسروں سے تعاون کرتے رہے اور اپنی جماعتی تشکیل کی فکر ہی نہ کی تو یہ اتنا بڑا اجتماعی گناہ ہوگا جس کی سزا قوم کی موت ہوگی۔ جماعتی مصیبت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا جواب مولانا آزاد سے سنئے فرماتے ہیں:-

> "قرآن و سنت نے بتلایا ہے کہ شخصی زندگی کے معاصی کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے۔ اشخاص کی معصیت کا زہر آہستہ آہستہ کام کرتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعنی نظام جماعتی کا نہ ہونا) ایسا تخم ہلاکت ہے جو فوراً بربادی کا پھل لاتا ہے اور پوری قوم کی قوم تباہ ہوجاتی ہے۔" (ایضاً)

فرمایئے! انفرادی طور پر کانگریس کے "بر و تقویٰ" کے کاموں میں شمولیت مقدم ہے یا اپنے جماعتی نظام کی تشکیل؟

---

(۳)

کہا جاتا ہے کہ ہاں! تم اپنی جماعتی تشکیل کی فکر میں رہو اور اس عرصہ میں ہندو جنگ آزادی میں اتنے آگے نکل جائیں گے کہ تم پھر بیٹھے ہاتھ ملتے رہو گے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ ہندو اپنے قومی مصالح و منافع کی خاطر آجکل سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اور آگے بڑھتے جا رہے ہیں اس لئے تم اس بات کیطرف دھیان ہی نہ دو کہ تم جس "جماعتی معصیت" کی زندگی کی لعنت میں گرفتار ہو۔ اسے کس طرح اسلامی زندگی میں تبدیل کرسکتے ہو! بلکہ جو کچھ حالت آج ہوچکی ہے اسے اور مستحکم کرتے جاؤ، انفرادی زندگی کے تخیل کو اور پختہ ہونے دو۔ اور فرداً فرداً ہندوؤں کے ساتھ شامل ہوتے جاؤ۔ یعنی اگر اختلاج کیوجہ سے تمہارے قلب کی حالت بگڑ چکی ہے۔ اس کی حرکت درست نہیں رہی تو اسکے علاج کی فکر مت کرو۔ بلکہ اپنے ساتھی کے ہمراہ دوڑتے چلے جاؤ کہ اگر تم رک گئے تو وہ بہت آگے نکل جائے گا۔ پوچھیئے تو کسی طبیب سے کہ وہ ایسے شخص کے متعلق کیا فتویٰ دیتا ہے؟

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جتنا وقت تم جماعتی تشکیل میں ضائع کرو گے ہندو اتنے میں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔ گویا ان کے نزدیک جو وقت جماعتی تشکیل میں صرف کیا جاتا ہے وہ بیکار جاتا ہے اس کا ماحصل کچھ نہیں ہوتا۔ وقت وہی کارآمد شمار کیا جاتا ہے جو شور و غوغا۔ بھاگ دوڑ۔ یعنی محسوس حرکات میں صرف کیا جائے۔ اصل یہ ہے کہ ہمسایہ قوم کے شور و شغب۔ بھاگ دوڑ سے مسلمان بوکھلا سا گیا ہے۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی ہے جیسی ریلوے پلیٹ فارم پر گاڑی کی آمد کے وقت مسافروں کی ہوتی ہے کہ ہر مسافر دوسرے مسافروں کی حرکت کو دیکھ کر بلا ارادہ سراسیمہ ہو جاتا ہے بعض کی تو کیفیت ہو جاتی ہے کہ سامان پلیٹ فارم پر بکھرا پڑا ہے۔ بچے مسافروں کے ہجوم میں گم ہو گئے ہیں، بدحواسی کے عالم میں پگڑی اتر کر گلے میں پڑی ہے۔ ایک جوتا پاؤں میں ہے دوسرا ریل کی پٹڑی پر۔ سانس پھول رہا ہے۔ منہ میں جھاگ آ رہے ہیں۔ اس پریشانی میں اتنا دریافت کرنا بھی بھول جاتا ہے کہ جس گاڑی میں وہ سوار ہو رہا ہے وہ وہی ہے جس میں وہ جانا چاہتا ہے مسلمان کی بھی آج یہی حالت ہو رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ زندگی کی دوڑ میں یہ ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گیا ہے اسے بہت دیر میں ہوش آیا ہے لیکن اس سے پیچھے رہ جانے کا مطلب یہ نہیں کہ اب راستہ میں اینٹ پتھر کنواں۔ کھائی کچھ دیکھا ہی نہ جائے اور یہ وحشت سر پر سوار ہو جائے کہ آنکھیں بند کر کے سر پر پاؤں رکھ کر دوڑنا شروع کر دیا جائے۔ مسلمان اس بات کو نظر انداز کر رہا ہے کہ ہندو پچاس برس سے اپنی جماعتی تشکیل کر رہا تھا۔ اس کا وہ دور حرکت کا نہیں بلکہ خاموش تنظیم کا تھا۔ انگریز کی قوت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ لیکن یہ خاموشی سے اپنی انفرادی زندگی اجتماعی زندگی میں بدل رہا تھا۔ اسوقت اگر ان میں بھی مسلمانوں کی سی بوکھلاہٹ پیدا ہو جاتی تو نہایت آسانی سے انہیں مطعون کر دیا جاتا کہ تم اپنی جماعتی تشکیل کی فکر میں رہو اور انگریز اتنے میں اپنی قوت کے آہنی شکنجے تم پر کس دے گا اور اگر اس وقت ہندو اس دلیل کو محکم سمجھ کر انفرادی طور پر حرکت شروع کر دیتا تو پھر آپ دیکھتے اس کا انجام کیا ہوتا۔

بدبختی سے جو دور ہندو کی اجتماعی تشکیل کا تھا۔ وہی دور مسلمان کے انتشار کا تھا۔ اب جبوقت

ہندو اپنی جماعتی تنظیم کو مکمل کر کے آمادہ بحرکت ہو رہا ہے مسلمان مکمل طور پر انفرادیت کی لعنت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اِس فرق کو تو وہ نظرانداز کر دیتا ہے اور طعنے دینے لگ جاتا ہے کہ ہاں۔تم بیٹھے رہو اور ہندو دیکھتے میں کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔ یاد رکھیے! ہر وہ حرکت جس سے پہلے اجتماعی تنظیم نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ہلاکت کیطرف لے جاتی ہے۔ یہ ایک اٹل قانون ہے۔ جس سے نہ ہندو کو مفر تھا نہ آپ کو ہوگا۔ ہندو اِس ابتدائی مرحلہ کو طے کر چکا ہے اور مسلمان کو اس کا احساس ہی اب شروع ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ اس مرحلہ کو طے کئے بغیر آپ ہندو کے دوش بدوش بھاگنا شروع کر دیں تو فطرت کا اٹل قانون آپ کو اِس لیے نہیں معاف کر دیگا کہ آپ کی نیت بخیر تھی۔ کمزور و نحیف مریض کو بستر سے اُٹھنے اور دَوڑنے کے درمیانی مراحل بتدریج طے کرنے ہونگے۔ یہ جذبہ کہ ایک توانا و تندرست نوجوان بھاگتا جا رہا ہے۔ اور مجھے بغیر سہارے کے چلنے کی بھی اجازت نہیں دی جارہی۔ علاج کے ناقص ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ان مراحل کو تو آپ کو طے کرنا ہی ہوگا۔ البتہ یہ امر موجب ہزار اطمینان ہے کہ جس طبیب کے زیر علاج آپ ہیں اس کے پاس ایسے نسخے بھی موجود ہیں کہ جتنی قوت دوسرا مریض دس دن میں حاصل کرے۔ اتنی قوت وہ تم میں دس گھنٹے میں پیدا کر دے قرآن کریم کے پاس اس چیز کا علاج بھی موجود ہے کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم سے پیچھے رہ جائے تو اسوقت کیا کرنا چاہیے، مسلمان کو معلوم ہی نہیں کہ وہ جماعتی زندگی جس کی تشکیل قرآنی خطوط پر ہوتی ہے اپنے اندر کتنی قوت رکھتی ہے ذرا اس چیز کو اپنے اندر پیدا کرلو پھر دیکھو کہ ہندو اور انگریز الگ الگ تو ایک طرف دونوں مل کر بھی تمہارا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ یہ محض خوش عقیدگی نہیں بلکہ تاریخ کی ٹھوس حقیقتیں ہیں جس سے دُنیا کی ہر قوم واقف ہے، بدبختی یہ ہے کہ مذبذب مسلمان کو اپنے طبیب پر خود ہی اعتماد نہیں رہا کچھ تو ان میں سے ایسے ہیں جو برملا اپنے آپ کو دوسرے ڈاکٹروں کے زیرِ علاج لا چکے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جو نسخہ تو اس سے لکھواتے ہیں لیکن علاج دوسروں سے کراتے ہیں۔ سو پہلے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑیگا کہ جس طبیب کو آپ اپنا طبیب مانتے ہیں۔ اس کی حذاقت و طبابت پر آپ کو یقین بھی ہے؟ جب یقین ہو تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو اسکے سپرد کر دو۔ اور جو کچھ

کہتا ہے کرتے جاؤ۔ اور اگر (نعوذ باللہ) یقین نہیں تو پھر علانیہ اسطرف چلے جاؤ۔ جہاں آپ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کا علاج عمدہ طریق سے ہو سکے گا

---

(۴)

کہا جاتا ہے کہ اسلام آزادی کا حامی ہے۔ غلامی اُسکے نزدیک لعنت ہے۔ پھر مسلمان سب سے مقدم جنگِ آزادی میں شریک کیوں نہ ہو جائے۔ باقی باتیں بعد میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

لفظ آزادی" ذرا تشریح طلب ہے۔ ہندو کے نزدیک اول تو آزادی سے مفہوم محض اقتصادی آزادی ہے۔ یعنی یہ کہ اپنے مُلک کی پیداوار پر ہندوستانیوں کو پورا اختیار حاصل ہونا چاہیئے۔ یہی نظریۂ آزادی قومیت پرست مُسلمان حضرات کے بھی پیشِ نظر ہے، چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی تقریر کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے اسکے دوران میں وہ فرماتے ہیں +

"اسوقت مُلک افلاس کا گھر بنگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی اس کوشش میں ہیں کہ ہندوستان کے لیے آزادی حاصل کی جائے۔ تاکہ ہندوستان کا روپیہ جو ہر سال مُلک کے باہر نکل جاتا ہے مُلک میں ہی رہے۔" (زمزم۔ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء)

ہندو کے پیشِ نظر تو آزادی سے مفہوم ہی یہ ہے کہ اندرونِ مُلک کا انتظام اکثریت کے ہاتھ میں ہو اور "چوکیداری" کے لیے انگریز کو مُلازم رکھ لیا جائے۔ لیکن اگر آزادی سے مفہوم یہ بھی مان لیا جائے کہ انگریز کو ہندوستان سے نکال دیا جائے گا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ باہر سے آئی ہوئی قوم کے ماتحت رہنا غلامی ہے کیونکہ یہ حکومت بدیشیوں کی ہے اور سوراج سے مطلب یہ ہے کہ حکومت اپنے ملک والوں کی یعنی سودیشیوں کی ہو۔

لیکن کیا اسلام کے نزدیک بھی غلامی اور آزادی سے یہی مفہوم ہے؟ کیا اسکے نزدیک ایک باہر سے آئی ہوئی قوم محض اس لیے گردن زدنی ہے کہ وہ اپنے مُلک کی قوم کیوں نہیں؟ اگر یہ نظریہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو فرمایئے کہ آپ کے خلفائے راشدینؓ۔ بالخصوص حضرت عمرؓ کے عہد میں

عرب کے مسلمانوں نے مصر و ایران۔ شام و عراق کے "غیر ممالک" کو فتح کیا اور وہاں اسلامی حکومت قایم کی۔ اگر اصول یہی ہو کہ ایک باہر سے آنے والی قوم اگر ملک کے اندر رہنے والی قوم پر حکومت کرے تو یہ سودیشی قوم اُس بدیشی قوم کی غلام ہو جائے گی اور یہ غلامی خدا کی لعنت ہے جسے دُور کرنا جہادِ زندگی ہے تو آپ کو فوراً یہ بھی تسلیم کر لینا ہوگا کہ ان مسلمانوں نے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور جنکے اعمالِ حیات آپ کے اسلام کا معیار ہیں، انہوں نے اِن دوسرے ممالک کے انسانوں کو غلام بنایا اور وہاں نعوذ باللہ۔ خدا کی لعنت پیدا کی! فرمائیے! کیا آپ کا حضرت عمرؓ کے متعلق یہی خیال ہے؟ اور نہیں یہ کہیئے کہ آپکا قرآن کریم کے متعلق یہی ایمان ہے جسنے مسلمانوں کو بشارت دی تھی کہ خدا کی یہ برگزیدہ جماعت نہ صرف عرب پر ہی حکمراں ہوگی۔ بلکہ ان ممالک پر بھی جہاں اِس سے پیشتر ان کے قدم نہ پہنچے تھے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ ایسا ایمان رکھنے کے بعد اسلام کا باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ہندو اس نظریہ کا حامل اِس لیئے ہے کہ اِس سے اسکا بگڑتا ہی کچھ نہیں اس پر ہمیشہ باہر والوں نے حکومت کی۔ اور اسے باہر جا کر کہیں ایک اینچ زمین پر بھی حکومت کرنا نصیب نہ ہوا اس لیئے اُسکے نزدیک غلامی یہ ہے کہ کوئی باہر کی قوم اُسپر حکمراں ہو۔ اور آزادی یہ ہے کہ حکومت خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو لیکن حیرت یہ ہے کہ آج مسلمان بھی اس نظریہ میں اُنکا ہمنوا ہے۔ اور نہیں سوچتا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

مسلمان کے نزدیک اصل شے یہ نہیں کہ حکومت کرنے والی قوم کہیں باہر سے آئی ہوئی ہے یا اس ملک کے اندر کی کوئی قوم ہے۔ اسکے نزدیک غلامی اور آزادی کا معیار یہ ہے کہ وہ جس نظامِ حکومت کے ماتحت زندگی بسر کر رہا ہے وہ قرآنی نظام ہے یا انسانی نظام۔ اگر قرآنی نظام ہے تو وہ کہیں سے آئی ہوئی قوم کیطرف سے ہو عین آزادی ہے۔ اور اگر انسانی نظام ہے تو وہ خواہ اپنی قوم کیطرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ یکسر غلامی ہے۔ اگر مکہ میں رہنے والی قوم کسی وقت کعبہ میں بھی انسانی نظام کے مطابق حکومت شروع کردے تو اہل کعبہ کے لیئے ان کی ماتحتی غلامی ہوگی، اور اگر کوئی قوم افریقہ سے چلکر وہاں قرآنی نظام قایم کردے تو اُس قوم کی حکومت اہل مکہ کے لیئے عین آزادی ہوگی۔ لہذا مسلمان کے نزدیک "بردِ تقوی" اتنا ہی نہیں کہ ہندوستان سے "انگریز کو نکال دو"۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ حکومت جو قرآنی حکومت

نہیں ہے اور اس لیے اُس کی ماتحتی مُسلمان کے لیے غلامی ہے۔ اُس کی جگہ جو دوسری حکومت اس کے بعد قایم ہوگی۔ وہ کیسی ہوگی۔ اگر دونوں حکومتیں غیر قرآنی ہوں گی تو مُسلمان جیسے آج غلام ہے ویسے ہی اسوقت بھی غلام ہوگا البتہ ہندو ضرور آزاد ہو جائے گا کہ اس کا آزادی سے مقصود وہی یہی ہے۔ لہٰذا جنگِ آزادی میں شرکت "بِرّ و تقویٰ" اُسوقت ہے جب یہ طے ہو جائے کہ اِس نظامِ حکومت کے بعد آزاد ہندوستان میں نظامِ حکومت کم ازکم مُسلمانوں کے لیے قرآنی نظام ہوگا۔ کیا جنگِ آزادی میں ہندوؤں کے ساتھ غیر مشروط طور پر شریک ہونے والوں نے کبھی اس کو بھی سوچا ہے یا محض "انگریز کو نکال باہر کرنا" ہی اُنکے نزدیک آزادی ہے ؟ مسلمان کے نزدیک انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی یکساں لعنت ہے

کہہ دیا جا سکتا ہے کہ انگریز کو ہندوستان سے نکالدینے سے روٹی کا مسئلہ تو حل ہو جائیگا لیکن روٹی کا مسئلہ حل ہونے کے ساتھ جو لعنتیں مُسلمان پر مسلط ہونگی انکا بھی آپنے کبھی خیال کیا ہے ؟ دیکھئے کہ جو آزادی آپ کو آج جنت بنکر فریب دے رہی ہے اُس کی بنیادیں کن اصولوں پر رکھی جا رہی ہیں سب سے پہلے یہ کہ مُسلمان کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ "متحدہ قومیت" کے تخیل میں الگ قومیت کا نظریہ فرقہ پرستی ہے جو سیاست ہند کے لغت میں بدترین لعنت کے مرادف ہے۔ اس متحدہ قومیت کے "نظامِ جمہوری" میں جس کا حصول حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے نزدیک عین آزادی ہے۔ اگر مُسلمانوں کی اقلیت اپنی انفرادیت (INDIVIDUALITY) کو الگ رکھنے کی کوشش کرے گی تو اسکا حشر کیا ہوگا۔ یہ اس جنگ آزادی کے قائد اعظم کی زبان سے سُنیے فرماتے ہیں :-

> دراصل جمہوری حکومت کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت، اقلیت کو ڈراکر اور دھمکاکر اپنے قابو میں رکھتی ہے"۔ (میری کہانی۔ از پنڈت جواہرلال نہرو صفحہ ۴۵۵ جلد دوم)

اسی بنا پر بہار کی کانگریسی حکومت کے مُسلمان وزیر تعلیم نے تحریر فرمایا ہے کہ متحدہ قومیت کا مذہب وہ ہونا چاہیے جو اکبر کے دینِ الٰہی کے رنگ کا ہو۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے نام ایسے نہیں رکھنے چاہئیں جن سے یہ بطور ہندو اور مسلمان کے پہچانے جائیں۔ اور یو۔پی کی کانگریسی حکومت کے وزیر تعلیم

سوامی سمپورانند نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ جب تک ہندو اور مُسلم الگ الگ تہذیبیں مٹ نہیں جاتیں متحدہ قومیت کی تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی فرمائیے کہ جس نظامِ حکومت میں مُسلمان کے مخصوص تمدن اور قومیت کا یہ انجام ہونیوالا ہو۔اس کے حصول میں اشتراکِ عمل "بروتقویٰ" ہے یا "اثم وعدوان"۔

انگریز کا ہندوستان سے نکال دینا۔ اور اسطرح یہاں کی اقتصادی مشکلات کا حل دریافت کرلینا یقیناً "بروتقویٰ" ہے۔ اس میں شرکت مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے لیکن وہ فارغ البالی جو مُسلمان کو اپنا مذہب۔ تمدن۔ اسلامی قومیت بیچکر حاصل ہو۔ایک سچے مُسلمان کے نزدیک قطعاً اس قابل نہیں کہ وہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔

مسلمان آزادی کے بغیر مُسلمان ہی نہیں بشرطیکہ آزادی سے مفہوم یہ ہو کہ جس نظام کے ماتحت یہ زندگی بسر کریگا وہ قرآنی نظام ہوگا۔ اور اس امر کی ضمانت آپ کو کبھی نہیں مل سکتی۔ تاوقتیکہ آپ اپنی جماعتی زندگی کی تشکیل کے بعد اپنے اندر اتنی قوت پیدا کرلیں کہ نئے نظامِ حکومت میں آپ اپنے لیے اپنا نظامِ زندگی متعین کرنے پر قادر و مختار رہیں ہندو مسلمانوں کے نزدیک بدیشی حکومت کے خاتمہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ وہ اسکی جگہ کم ازکم اپنے لئے قرآنی حکومت کو قائم کرسکیں۔

(۵)

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے تو اسلامی ممالک پر سے اس کی گرفت ڈھیلی ہوجائے گی۔ اس لیے ہندوستان کے مُسلمانوں کو اپنے دیگر اسلامی بھائیوں کی خاطر ہندوؤں سے جنگ آزادی میں غیر مشروط طور پر شریک ہونا چاہیئے۔

اوّل تو یہ ہی غلط ہے کہ ہندو انگریز کو ہندوستان سے نکالنا چاہتا ہے۔حقائق سے آنکھیں بند کرکے کسی اپنی خوش فہمی میں مگن رہنا صحیح مسلک نہیں ہوا کرتا۔ مختلف سلطنتوں کی آج حالت یہ ہے کہ باوجود اس قدر فوج اور سامان حرب رکھنے کے ایک دوسرے سے خائف ہیں اور کسی کو معلوم نہیں کہ کل ہی کون سی بالادست قوت انہیں ہڑپ کرجائے۔ ان حالات کی موجودگی میں کیا اس بات کو تصور میں بھی لایا جاسکتا ہے کہ ہندو اس بات کو گوارا کرے گا کہ وہ نہتہ۔ بے سازوسامان رہ جائے اور انگریز کی حفاظت کو ٹھکرادے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی ایک آئینی تبدیلی ہے۔ انقلاب نہیں ہے آج

اگر انگریز اس بات پر صلح کرنے پر آمادہ ہو جائے کہ اندرونِ ملک کا کلیتہً انتظام ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائیگا۔ تو ہندو فوراً اس سے صلح کر لے گا۔ اور آزادی کی جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا۔

لیکن ہم تسلیم کیے لیتے ہیں کہ انگریز کو ہندوستان سے نکال دینا ہی مقصود ہے، تو اس کے بعد دو شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انگریز یہاں سے چلا جائے اور مسلمان یہاں "متحدہ قومیت" کا جزو بن کر رہے۔ اس کے الگ قومی اور ملی رجحانات باقی نہ رہیں۔ دوسرے یہ کہ انگریز یہاں سے چلا جائے اور مسلمان یہاں ایک مستقل قوم کی شکل میں موجود ہو جو اکثریت کے لیے ایک ایسی سخت ہڈی ہو جسے نگلنا آسان نہ ہو۔ ملک کی داخلی اور خارجی پالیسی میں اسکا پورا پورا حصہ ہو۔ اور غیر مسلم اقوام اس کی رضا جوئی کے بغیر ایک قدم بھی نہ چل سکیں کہ ۹ کروڑ کی اقلیت بشرطیکہ وہ ریت کے ذرّوں کی طرح منتشر نہ ہو بلکہ ایک چٹان کیطرح اجتماعی زندگی بسر کر رہی ہو۔ کچھ مذاق نہیں ہوتی۔ یہ تو اکثریت کا جینا حرام کر سکتی ہے۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے کہ کسی اسلامی ملک کی ہمدردی کی خاطر ہندوستان کی "متحدہ قومیت" انگریز سے یا کسی اور بڑی طاقت سے قطعاً بگاڑ نہیں پیدا کرے گی۔ یہ پرائے شگون کیلئے اپنی ناک کیوں کٹوانے لگی لیکن دوسری صورت میں یہاں کی اکثریت کے لیے مسلمانوں کی مرضی کے خلاف کسی بیرونی طاقت کی مخالفت یا موافقت کرنا محال ہو جائے گا۔ فرمایئے کون سی صورت خود مسلمانانِ ہند اور اسلامی ممالک کے لیے بہتر ہے؟ یقین مانیئے۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ایک جماعت کی شکل میں منظم ہو جائیں تو اُن کی جمعیت بجائے خویش دیگر اسلامی ممالک کے لیے ایک حیات بخش قوت بن جائے گی لیکن یہاں کی کوئی حکومت یہ دیکھ نہیں سکتی کہ مسلمان ایک جماعت بنائیں۔ اُن کی جمعیت کو ٹکڑے کر دینے کے لیے جو سیاسی چالیں انگریز چلا۔ انہی کے قدم بقدم اب ہندو چل رہا ہے۔ انگریز کے دورِ حکومت میں بھی سرکار کا ساتھ دینے والا طبقہ معزز و مکرم اور الگ رہنے والا معتوب و مقہور تھا۔ ہندو کے آغازِ حکومت میں بھی ہندو کے ساتھ رہنے والا "قوم پرست" اور اُن سے الگ رہنے والا "ٹوڈی بچہ" بن رہا ہے۔

پھر یہ نہ سمجھیے کہ آپ کو اپنی جماعتی تشکیل کے لیے برسوں کی مدت درکار ہے۔ اتنا وقت وہ آچکا ہے

جماعتوں میں بن سکتی ہے۔ ملک میں عام طور پر اب دو ہی قسم کے خیالات کے مسلمان ہیں۔ ایک جنگِ آزادی میں کانگریس کے ساتھ انفرادی طور پر شامل ہونے کے حامی۔ دوسرے کانگریس کے ساتھ من حیث الجماعت اشتراکِ عمل کرنے کے موید۔ چونکہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ انفرادیت۔ اور ایسے اہم اور ملی معاملہ میں انفرادیت۔ قومی خودکشی ہے۔ اس لیئے اول الذکر مسلمانوں کو صرف اتنا سمجھانا مقصود ہے کہ وہ تھوڑی دیر کانگریس سے الگ ہو کر اپنی جماعتی تشکیل کرلیں۔ آپ دیکھیں گے کہ جماعت دنوں میں بن جائے گی۔ اسکے بعد جو اکا دکا مسلمان الگ رہ جائے گا۔ وہ جماعت کے مقابلہ میں کوئی وزن ہی نہیں رکھے گا۔ اس، اجتماعیت کے بعد کچھ "بر و تقویٰ" کے کام میں تعاون کیجئے۔ اور کانگریس سے ملکر انگریز کو ہندوستان چھوڑ، انگلستان سے بھی باہر نکال آیئے۔ یہ سب اسلامی مسلک ہوگا۔ اُسوقت آپکا یہ گلہ بھی مٹ جائیگا کہ لیگ "سروں" اور "نوابوں" کی جماعت ہے۔ اگر یہ "سر" حضرات ہندوؤں میں جذب ہو جانا ہی اپنا مسلک اختیار کرلیں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی الگ جماعت تو کوئی اور رہی ہوگی۔ کانگریس اپنی ابتدائی چالیس سالہ زندگی میں خود "سروں" اور "نوابوں" ہی کی جماعت تھی اور آج بھی وہاں "سر" ہونا کون سا جرم ہے؟ یاد رکھیئے! اگر "سر" ہونا اس لحاظ سے بُرا ہے کہ اس سے انگریز کے "تولّے" (دوستداری) کی بُو آتی ہے۔ تو قرآن کریم کی میزان میں ہندو سے تولّی بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے۔ اسلامی مسلک تو یہ ہے کہ نہ انگریز سے تولّی ہو نہ ہندو سے۔ بلکہ مسلمان باہمی تولّی سے ایک جماعت بن کر رہیں اور اپنے مرکز کی اطاعت میں دوسروں سے "نیکی اور بھلائی" کے کام میں تعاون کریں اور خود قرآنی نظام کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ ہمارے نزدیک انگریز اور ہندو سے تولّی کرنے والے دونوں برابر ہیں

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

قرآن اور قرآنی دلائل

(از ادارہ)

قرآن کریم اس خدائے قادر وحکیم کا کلام ہے جس نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کیا ہے اور ان کے لئے ایک اٹل قانون بنا دیا ہے جو فطرت الہی سے موسوم ہے اس کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ آسان ہے۔ فطرت وعقل کے مطابق ہے۔ ہر زمانہ اور ہر ماحول میں انسان کا رفیق ہے اور ایک ایسا ضابطۂ عمل اور دستور زندگی ہے جو ہر راہرو کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتا ہے۔ یہ کلام آسان سمجھنے والوں کے لئے آسان اور مشکل سمجھنے والوں کے لئے مشکل ہے یہ اس شخص سے ہمیشہ اجنبی رہتا ہے جو اجنبی اور غیر فطری طریقوں سے اس تک رسائی حاصل کرنا چاہے اور اس شخص پر اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہے جو اس کو اپنا دوست۔ اپنا رفیق اور اپنا محبوب سمجھ لے اور اس کے مزاج میں اتنا دخل حاصل کر لے کہ اشارہ پاتے ہی اس کا مطلب سمجھ جائے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دوسروں کی وساطت کے بغیر خود اسی سے سوال کر کے جواب پائے۔ کس قدر آسان اور اقرب الی الفہم کتاب ہے اور کس قدر مشکل یہ مشکلات خود ہماری پیدا کی ہوئی ہیں کیونکہ ہم مشکل اور تاریک راستوں سے گزرنے کو اپنا کمال تصور کرتے ہیں اور مختلف قسم کی گمراہیوں نے ہمارے دماغ کا سوراخ اتنا ٹیڑھا کر دیا ہے کہ اس پاک کتاب کی کوئی سیدھی بات اس میں داخل نہیں ہوتی اگر ہم سہل اور کشادہ راستوں کو اختیار کر لیں تو یہ پاک کتاب آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کریگی اور ہمیں وہ چیز عنایت کرے گی جس کی طلبگار ہماری فطرت اور ہمارا ضمیر ہے۔ ہمارا ضمیر اول وآخر حق کا طلبگار ہے۔ نور کا متلاشی ہے۔ اور شفا کا طالب ہے اور قرآن دنیا کو اسی بنا پر دعوت دے رہا ہے کہ وہ حق ہے الحق وہ نور مبین ہے۔ وہ شفاء لما فی الصدور ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حق سے زیادہ اور کوئی چیز آسان اور انسانی ضمیر کے قریب نہیں ہو سکتی۔

قرآن اور مسلمان

ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے کہ قرآن حکیم آسان ہے نعوذ باللہ جس چیز کا مدعی خود قرآن نہ ہو ہمیں کیا حق ہے کہ اُس کو قرآن کی طرف منسوب کر دیں بلکہ خود اس نے کہا ہے کہ انما یسرناہ بلسانک اے پیغمبر! ہم نے آپ کی (عربی) زبان میں اس کو آسان کر دیا ہے مگر اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ قرآن کو خود مسلمانوں نے مشکل سمجھ لیا ہے اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں نے اسکے قریب جانے کی کوشش نہیں کی! اس پاک کتاب کی خدمت سلف سے ہوتی چلی آئی ہے اور ہر زمانہ میں اس کے مبلغ اس کے معلم اور اسکے مفسر اُس کو سمجھنے اور سمجھانے کا مبارک فرض انجام دیتے رہے ہیں ہزاروں تفاسیر لکھی گئیں، بے شمار علوم کی مدد سے اسکے اسرار و خفایا معلوم کرنے کے جتن کیے گئے بہت سے شیخ الاسلام اور مفسرین عظام اُٹھے جنہوں نے اس بحرِ بے کراں میں شناوری کی متکلمین اور حکماء اسلام نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ دُنیا کو عقلی طریقوں پر اس کتاب سے روشناس کرائیں گے مگر نتیجہ یہ کہ آج بھی مسلمان اسی جگہ ہیں، جہاں ایک ہزار سال پہلے تھے۔ اور قرآن ان سے اتنا ہی دُور ہے جتنا کہ ایک اجنبی کو اجنبی سے ہونا چاہیئے! کیا یہ حیرت کا مقام نہیں؟ کیا یہ ایسی چیز نہیں کہ اس پر ٹھنڈے دل سے تمام امتِ اسلامیہ غور کرے؟

متکلمین اور حکماء اسلام

جس طرح قرآن حکیم آسان ہے اسی طرح ان اسباب کا پتہ لگانا بھی آسان ہے جنہوں نے قرآن کریم کو مشکل نا قابل فہم اور چیستاں بنا رکھا ہے، ہمیں اس کے لیے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ تھوڑی سی جرأت کے ساتھ ہمیں ان لوگوں کی کاوشوں کا جائزہ لینا چاہیئے جو قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کے اجارہ دار ہیں اور جنکے علم و فضل و حکمت و فلسفہ اور وضعی اور اصطلاحی علوم کے سکے آج تک دل کی مملکت میں رواں ہیں۔ یہ ہمارے متکلمین اور حکماء یہ ہمارے امام رازی اور امام الحرمین یہ ہمارے اشاعرہ اور ماتریدیہ اور یہ ہمارے معتزلہ اور انکے اکابر کیا ہیں؟ قرآن کریم کے لیے مجسم پردہ ہیں قرآن کریم کی آسانیوں کو مشکل بنانے والے ہیں اور اللہ کی کتاب کو اپنے وضعی اصولوں اور فلسفیانہ

اصطلاحوں کے ذریعہ سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں یہ وہ بزرگ ہیں (اللہ تعالےٰ اُن کی قبروں کو نُور سے بھرے) جو ابتدا میں قرآن کو آگے آگے رکھتے ہیں مگر تھوڑی دور چل کر قرآن کو پیچھے چھوڑتے اور آپ آگے نکل جاتے ہیں +

قرآن کریم کے لیئے اس سے بڑھ کر اور کوئی مشکل نہیں ہوسکتی کہ اُس کو سمجھنے کے لیئے ان علوم کا سہارا لیا جائے جو خطا کار انسانوں کے وضع کردہ ہیں جنکے مبادیات و مقدمات۔ جنکے دلائل و براہین ارسطو کی غلط منطق اور یُونانی فلاسفہ سے ماخوذ ہیں اور جنکے علم کلام کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ قرآن کریم کی سادہ اور عام فہم باتیں جنکے سامنے انسانی فطرت خمیدہ ہوجاتی ہے مغلق، ناقابل فہم اور غیر فطری بنجائیں، اور سیدھی سادھی بات اصطلاحات میں پھنس کر اپنا حسن و جمال غارت کردے

قرآن کریم کی خصوصیات

قرآن کریم پر غور و تدبر کرنے سے اُس کی سب سے بڑی تین خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں

(۱) وہ عقائد کے بارے میں جس حقیقت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر دلائل بھی خود ہی پیش کرتا ہے، وہ ہرگز اس بات کا محتاج نہیں کہ مثلاً خدا کے وجود اور وحدانیت اور حشر و نشر کو ثابت کرنے کے لیئے کوئی خارجی ذریعہ اُس کی امداد کرے اور ارسطو کی منطق اور خشتراعی اصطلاحیں اُس کی آبرو قایم رکھنے کے لیئے آگے بڑھیں اور اُسکے دعاوی پر بطور احسان اپنی طرف سے دلائل قایم کریں۔ قرآن خود دعویٰ کرتا ہے خود ہی اسپر دلیل و حجت قایم کرتا ہے اور خود ہی مخالفوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرکے ان میں ایقان و اذعان کا نُور پیدا کرتا ہے +

(۲) قرآن کریم کا استدلال سادہ اور فطری مقدمات پر مبنی ہوتا ہے وہ ہمیشہ ایسے دلائل پیش کرتا ہے۔ جو اقرب الی الفہم اور اوفق بالطبع ہوتے ہیں اور جن سے ایک معمولی استعداد کا انسان بھی تسلی حاصل کرلیتا ہے اسکے مقدمات و مبادیات غامض نہیں ہوتے۔ اس کی تقریر فلسفہ کا لبادہ پہن کر سامنے نہیں آتی اور نہ وہ ناقابل فہم اصطلاحوں کا استعمال کرتا ہے +

(۳) قرآن کریم کی دعوت اس اذعان و یقین پر ہے جو کائنات پر غور و تدبّر کرنے سے

انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور جس سے عوام اور علماء دونوں کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے

متکلمین اسلام کی غلط فہمی

متکلمین اور حکماء اسلام کی پہلی غلطی یہ تھی کہ وہ اپنے ذہن میں پہلے چند اصول مقرر کر لیتے تھے اور اسکے بعد اپنے مقصد کے مطابق قرآن میں تاویل کا فتنہ پیدا کرتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ قرآن کی مشکل تو حل نہیں ہوتی تھی (کیونکہ وہ سرے سے مشکل ہی نہیں ہے بلکہ سرتاپا آسان ہے) البتہ گرہ پر گرہیں پڑتی چلی جاتی تھیں

اُن کی دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ حقایق قرآنی پر اپنی طرف سے دلائل قایم کرتے تھے اور اپنے اختراعی اصول کی بنا پر قرآن کریم سے انکا استنباط کرتے تھے اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے منطقی اصطلاحوں اور اختراعی دلیلوں کے زور میں قرآن حکیم کیطرف مڑکر کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اپنی وکالت خود کس طرح کرتا ہے اور انسان کے ضمیر کو مخاطب کرنے کے لیے اسکے پاس کیا کیا طریقے ہیں اور کس ترکیب سے وہ انسان کی عقل سلیم میں اُترنے اور اسکو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے +

حالانکہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے مزعومہ اصول و دلائل کے بجائے ہر مسئلہ میں قرآن حکیم ہی کو حکم قرار دیا جائے اور خالی الذہن ہوکر یہ دیکھا جائے کہ اللہ کی یہ کتاب کس طرح اور کس حد تک کسی عقیدہ کا اثبات اور اس پر کس طرح دلائل قایم کرتی ہے مگر افسوس ہمارے متکلمین نے اپنے اختراعی اصولوں کی بنا پر کتاب الٰہی میں تاویلوں کا دروازہ کھولدیا اور قرآن کریم کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل گئے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ تو قرآن کریم کے طرز خطاب طریق استدلال کو ہی سمجھ سکے اور نہ ہی ان سادہ اور فطری مقدمات کا ادراک کرسکے۔ جو قرآن کی جان اور انسانی ضمیر کی اساس ہیں۔ چنانچہ انھوں نے جب وجود باری پر دلائل قایم کرنے چاہے تو قرآن اور فطرت دونوں سے الگ ہوگئے نہ وہ خدا کا وجود ہی ثابت کرسکے اور نہ قرآن کی طرف دیکھ سکے اور بجائے شبہات دُور کرنے کے قرآن کے اردگرد انھوں نے شکوک کا ایک انبار لگا دیا +

امام ابن تیمیہ اور قرآن۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اشاعرہ متکلمین اور فلاسفہ کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب فرما گئے ہیں کہ:۔

ان الرازی قد جمع ماجمعه من طرق المتکلمین والفلاسفة ومع هذا فلیس فی کتبه اثبات الصانع ولیس فیه ایضاً اثبات النبوة .... وسبب ذالك اعراضهم عن فطرة العقلیة والشرعة النبویة بما ابتدعه المبتدعون مما افسدوا به الفطرة والشرعة فصاروا یسفسطون فی العقلیات ویقرمطون فی السمعیات

امام رازیؒ نے متکلمین اور فلاسفہ دونوں سے استفادہ کیا لیکن اسکے باوجود اُن کی کتابوں میں صحیح طور پر نہ خدا کے وجود کا اثبات ہے اور نہ ان میں نبوت پر کوئی دلیل ہے اور اسکا سبب صرف یہ ہے کہ متکلمین نے فطرت سلیمہ اور شریعت محمدیہ دونوں سے اعراض کیا اور طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کرکے فطرت اور شریعت دونوں کی خلاف ورزی کی چنانچہ وہ عقلیات میں جو کچھ کہتے ہیں وہ سفسطہ ہوتا ہے اور سمعیات میں جو کچھ فرماتے ہیں اُن کی دھیاسے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں ہوتی[1]"

ابن رشد اور قرآن

علامہ ابن رشد اندلسی جو متکلم بھی تھے اور فقیہہ بھی اور ارسطو کے فلسفہ کے شارح بھی (متوفی ۵۹۵ھ) انھوں نے متکلمین کی غلطیوں اور قرآن حکیم کی حکمتوں پر ایک دلنشیں اور دلپذیر تقریر کی ہے جس سے ان لوگوں کا سراغ ملجاتا ہے جنہوں نے قرآن کی راہ میں بے شمار مشکلات پیدا کردی ہیں ہم ذیل میں انکی تقریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

فان قیل فاذا لم تکن هذه الطرق التی سلکها الاشعریة ولا غیرهم من اهل النظر الخ

اگر کوئی پوچھے کہ جب اشاعرہ اور معتزلہ کا طریقہ جمہور کی تعلیم کے لیے کافی نہیں تو پھر

---

[1] کتاب النبوات مطبوعہ مصر ص۱۴۸ ۱۲

وہ کون سا طریقہ ہے جس کو صحیح سمجھنا چاہیئے؟ تو ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ تم متکلمین کے طریقوں کو چھوڑ کر صرف قرآن حکیم کو پیش نظر رکھو تو تمام مشکلیں خود بخود حل ہو جائیں گی لوگوں کی تین قسمیں ہیں بعض لوگوں کے لیے ہر بات پر منطقی دلیل قایم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض صرف خطیبانہ انداز سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے لیئے صرف وعدہ و وعید کافی ہوتے ہیں قرآن چونکہ ایک معجزانہ کتاب ہے اور تمام جہان کی ہدایت و سعادت کے لیئے نازل ہوئی ہے اسلیئے وہ تینوں طریقوں کی جامع ہے ایک عامی بھی اسی طرح مطلب سمجھ لیتا ہے جس طرح ایک فلسفی پس جو شخص اس بنا پر قرآن حکیم میں بیموقع تاویل کرتا ہے۔ وہ قرآنی حکمتوں کو نہیں سمجھتا صحابہ کرام سے بڑھ کر تقویٰ و طہارت میں کون ہو سکتا ہے؟ اسکے باوجود بے جا تاویلوں سے انھوں نے قرآن کو مسخ نہیں کیا۔ لیکن صحابہ کرام کے بعد ایمانوں میں جتنا ضعف پیدا ہوتا گیا اسی نسبت سے تاویلوں کی اشاعت بھی ہونے لگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات بڑھ گئے محبت مفقود ہو گئی اور شریعت کو پارہ کر دیا گیا۔ پس جو شخص شریعت کو ان بدعتوں اور فسادوں سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ اس کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو اپنے آگے رکھ لے اور ایک ایک عقیدہ کے دلائل کو الگ جمع کرتا جائے اور جس حد تک قرآن حکیم نے کوئی تعلیم دی ہے اس کو اسی حد تک رکھے اور کسی آیت میں حتی الامکان تاویل نہ کرے بجز اس صورت کے کہ تاویل خود نص سے مفہوم ہوتی ہو۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ تین باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو کسی اور کلام میں نہیں پائی جاتیں اول یہ کہ جس طرح اسکے دلائل اقناعی اور خطابی ہیں۔ یعنی عام آدمیوں کو ان سے تسلی ہوتی ہے اسی طرح وہ قیاسی اور برہانی بھی ہیں یعنے منطق[1] کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

---

[1] منطق سے مراد عقل سلیم کی حجت ہے نہ کہ ارسطو کی منطق جو غلط مسلمات اور فرضی دلائل پر مبنی ہے +

دوسرے یہ کہ وہ اس قدر صاف ہیں کہ تاویل کی ضرورت ہی واقع نہیں ہوتی تیسرے یہ کہ اگر تاویل کی ضرورت ہوتی ہے تو خود قرآن مجید کی دیگر آیات سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور ہمیں کسی آیت کو اُسکے ظاہری معنی سے پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوتی؟[1]

ابن رشد نے ان سطور میں قرآن فہمی کا جو اُصول بیان کر دیا ہے اُس سے نہ صرف تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ متکلمین اور فلاسفہ کی تمام بدعتوں کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے اور ہم خود قرآن سے سوال کرنے اور جواب پانے کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔

مسلمان جب تک "عقلی" علوم سے دُور رہے اور کتاب وسُنّت کی سادہ اور فطری تعلیم کو آگے رکھے رہے اسوقت تک وہ تمام فسادات سے محفوظ رہے مگر جب ان میں یُونانی فلسفہ کی بدولت معقولات کا مذاق پیدا ہوا اور ارسطو کے نظریات سے انہیں اسلام کی بُنیادیں ہلتی نظر آئیں تو وہ بہت گھبرائے اور اُنکے لیے اسکے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ وہ بھی مخالفوں کے مقابلہ میں عقلی دلائل اختیار کریں اور یُونان کے فلسفہ کی دھجیاں اُڑائیں مگر اس اضطراب اور پریشانی میں اُن کو خیال ہی نہ رہا کہ قرآن کریم نے بھی حقائق وعقائد پر دلائل قایم کیے ہیں اور وہ دلائل نقلی نہیں بلکہ سرتاسر عقلی ہیں جن سے عوام و خواص سب کو تسلی حاصل ہوتی ہے اس سلسلہ میں ابن رشد اندلسی کا یہ قول کتنا صحیح ہے کہ۔

ہماری اس تقریر سے تم پر واضح ہو گیا ہوگا کہ وجود باری تعالےٰ کے اثبات پر اشاعرہ کے تمام مشہور طریقے یقینیات پر مبنی نہیں ہیں وہ نہ عقلی ہیں نہ شرعی اور نہ ان سے یقین کی دولت حاصل ہوتی ہے جس شخص نے وجود صانع کے سلسلہ میں قرآنی دلائل مطالعہ کیا ہے اور اسکے براہین پر غور و فکر کی نظر کی ہے اسپر ہماری یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اگر تم غور کرو گے تو شریعت میں تم کو دو چیزیں صاف نظر آئیں گی۔ اول یہ کہ قرآن کا طرز استدلال یقینی ہوتا ہے یعنی اس سے قلب و دماغ میں یقین کی کیفیت

[1] دیکھو ابن رشد کی کتاب "فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال" مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲-۱۳ منہ

پیدا ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اسکے مقدمات عام فہم، بسیط اور اقرب الی الفہم ہوتے ہیں اور اسکے نتائج نہایت روشن اور سہل"۔[1]

مگر متکلمین عقائد کے اثبات میں فرضی تکے لڑاتے اور قرآن حکیم کے فطری دلائل کو چھوڑ کر اپنے فرضی اور قیاسی دلائل سے اسلام کی حمایت کرتے رہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی کوششوں سے اسلام کو تو فائدہ نہ پہنچا اُلٹا قرآن کریم چیستاں بن گیا اور مشکلات پر مشکلات نے اس کی صورت اس قدر مسخ کر دی کہ وہ سہل اور آسان ہونے کے باوجود کسی کے سمجھ کے قابل نہ رہا۔ اب ان تمام مشکلات کا حل یہی ہے کہ متکلمین حکمار اسلام اور اسلامی فلاسفہ کے دلائل سے قطع نظر کر کے ہر معاملہ میں قرآن ہی کو حَکَم بنایا جائے۔ اُسی سے دریافت کیا جائے کہ اُسکا دعوےٰ کیا ہے اور اسی سے پوچھا جائے کہ اُسکے پاس دلیل کیا ہے۔ تمام علوم کو پیچھے چھوڑ دو اور صرف قرآن کو آگے رکھ لو پھر کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی۔ اور قرآن انسانی قلوب وضمیر کو اطمینان کی دولت سے مالا مال کرتا چلا جائے گا۔

اب ہم متکلمین اور حکمار کی اختراعی اور وضعی دلیلوں کیطرف متوجہ ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ان دلائل کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کو قرآن حکیم نے اچھوتے اور بلیغ انداز میں پیش کیا ہے تاکہ ایک محقق کو معلوم ہو جائے کہ انسان ضمیر کی تسکین قرآنی دلائل سے ہوتی ہے یا متکلمین کے دلائل اور یونانی فلاسفہ کے براہین سے۔

متکلمین کے دلائل اس قدر فنی اور اصطلاحی مغلقات سے بھرے ہوئے ہیں کہ عوام تو ایک طرف خواص بھی انہیں مشکل سمجھ سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی مثال پیش کرنا ہمارے قارئین کے لئے کچھ مفید نہ ہو سکتی تھی لیکن ہم بایں ہمہ دو چار مثالیں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ جن لوگوں کو از خود ان حضرات کی تصانیف پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا وہ بھی اندازہ کرسکیں کہ اس مجموعہ چیستاں سے قرآن کتنا سمجھ میں آسکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

---

[1] دیکھو فصل المقال صفحہ ۲۳-۱۲

اُردو ہندی کا مسئلہ

(جناب محمد اکرم خان صاحب مدیر روزنامہ شمس ملتان)

(اگست کے پرچہ میں جناب رازی کا مضمون "واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان" شائع ہو چکا ہے، اس سلسلہ کا دوسرا مضمون زبان کا مسئلہ تھا جو ادارہ طلوع اسلام کیطرف سے اسوقت لکھا جا رہا ہے اس اثنا میں جناب محمد اکرم خاں صاحب کا یہ مضمون موصول ہو گیا جو اتفاق سے اسی موضوع پر ہے، اسے ہم بکمال مسرت شائع کر رہے ہیں، طلوع اسلام کا موعودہ مضمون آیندہ پرچہ میں شائع کیا جائیگا انشاء اللہ۔ زبان کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس پر مسلسل لکھنے کی ضرورت ہے۔ "طلوع اسلام")

ہمارے بدقسمت ملک میں زبان کا جھگڑا اگرچہ تقریباً آدھی صدی سے جاری ہے لیکن چند برس سے اس سوال نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اب اس بحث نے اخبارات و رسائل کی حدود سے نکل کر اہل وطن کی عملی زندگی کو نہایت شدت سے متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھکر اس اصل سبب کے پتہ لگانے کی کوشش کریں جو اس جھگڑے کی تہ میں کام کر رہا ہے اور بعد ازاں اس مسئلہ کو سلجھانے کیلئے صحیح راستہ اختیار کرنے کی طرف متوجہ ہوں

تاریخی پس منظر ہندوستان کی لسانی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ زمانہ قدیم میں آرین قوم وسط ایشیا سے تورانی زبان کی ایک شاخ اس ملک میں لے آئی اس شاخ کا نام سنسکرت تھا۔ کچھ تو یہاں کی نامعلوم قدیم زبانوں کے میل جول سے، کچھ مابعد کے بابلی، یونانی اور ایرانی حملوں کے نتیجہ کے طور پر، کچھ مرور زمانہ اور کچھ اس ملک کی آب و ہوا کے اثر سے یہ زبان بدلتی چلی گئی حتیٰ کہ اصلی سنسکرت صرف ایک مذہبی اور علمی زبان ہو کر رہ گئی اور عام بول چال کے لئے اسکی وہ بگڑی ہوئی صورت رائج ہو گئی جس کو

"پراکرت" کے عام نام سے پکارا جاتا ہے اور جو ملک کے مختلف حصّوں میں مختلف تھی،
آج سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے جب مسلمانوں نے اس ملک میں قدم رکھا تو یہاں مقامی زبانوں کے اختلاف کی یہی کیفیت تھی اس ملک میں اسوقت کی کسی مشترکہ زبان کے وجود کا پتہ نہیں چلتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ دہلی اور آگرہ کے نواح میں ایک زبان برج بھاشا کے نام سے رائج تھی، مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر مقامی زبانوں کو مقامی نسبت سے پکارنا شروع کیا مثلاً وہ سندھ کی زبان کو سندھی، ملتان کی زبان کو ملتانی اور باقی تمام ملک کی زبان کو ہندی یا ہندوی کہنے لگے چونکہ باقی زبانوں میں برج بھاشا کسی حد تک مرکزی حیثیت رکھتی تھی اس لئے رفتہ رفتہ اسی کا نام ہندی پڑ گیا۔
مسلمانوں کے ساتھ جب عربی، فارسی اور ترکی زبانیں ہندوستان میں داخل ہوئیں تو ان کے بے شمار الفاظ مقامی بولیوں میں شامل ہونے شروع ہوگئے، ہندوؤں کی مذہبی اور علمی زبان وہی سنسکرت رہی اور مسلمانوں کی عربی اور فارسی، لیکن چونکہ سرکاری زبان فارسی ہوگئی اس سے مقامی زبانوں پر بہت اثر پڑا۔ یہاں تک کہ اس امتزاج سے ایک نئی زبان کی تشکیل شروع ہوئی جو شروع میں ہندوی یا ہندی کہلائی، بعد میں ریختہ اور آخرکار اُردوئے معلی یا محض اُردو کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس طرح مسلمانوں کے دور حکومت میں سیاسی طور پر پہلی دفعہ ہندوستان نے ایک واحد ملک کی صورت اختیار کی اسی طرح ہندوستان کی یہ مشترکہ زبان بھی پہلی بار وجود میں آئی اور اسی زبان کو تمام ملک کی نسبت سے ہندوستانی کا نام بھی دیا گیا، گویا یہ ایک ہی زبان تھی جو ہندی یا اُردو یا ہندوستانی کہلائی اور تمام ملک کی سرکاری زبان کی طرح اس کا مشترک رسم الخط فارسی تھا، البتہ مقامی طور پر زیادہ تر ہندوؤں میں سنسکرت سے نکلے ہوئے مختلف رسم الخط بھی استعمال ہوتے تھے جن سے موجودہ وقت کے ناگری، گورمکھی، بنگالی، گجراتی، مرہٹی وغیرہ رسم الخط ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔
جب انگریزوں کا دور حکومت آیا تو ابتداء میں ایک عرصہ تک سرکاری زبان فارسی ہی

برقرار رہی چنانچہ اسوقت تک اُردو یا ہندوستانی کی مشترکہ حیثیت بھی بدستور قایم رہی لیکن جب لارڈ ولیم بنٹنگ کے عہد میں سرکاری زبان کے بجائے انگریزی مقرر ہوگئی تو اس اہم تبدیلی کے گوناگوں اثرات ظاہر ہونے لگے، جب تک تمام ملک کی سرکاری زبان کا رسم الخط فارسی تھا اسوقت تک اُردو یا ہندوستانی کے کسی اور رسم الخط کا "کل ہند" حیثیت حاصل کرنا صریحاً ناممکن تھا، لیکن جونہی انگریزی نے فارسی کو حکومت کی کرسی سے اُتارا تو ہندوستانی زبان کے فارسی رسم الخط کی ہندوستان گیری بھی مسلّم نہ رہی اور اس کے مقابلہ میں بعض مقامی رسم الخط سر اُٹھانے لگے جنمیں سے ایک ناگری رسم الخط بھی تھا جسے آج ہندی رسم الخط کا نام دیکر تمام ملک میں پھیلانے کی کوشش کیجا رہی ہے۔

انگریزی تعلیم نے ہندوؤں میں صدیوں کی غلامی کے بعد جو سیاسی بیداری پیدا کردی اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں رفتہ رفتہ اجتماعی احساس، متحدہ قومیت کا جذبہ اور اپنی "پرانی تہذیب" کو زندہ کرنے کا شوق بڑھنے لگا، اس جذبہ کا اثر زندگی کے تمام شعبوں کی طرح زبان پر بھی پڑا، چنانچہ ہندوؤں نے ملک کی مشترکہ زبان اُردو یا ہندوستانی کو عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت اور بالخصوص فارسی رسم الخط کی بنا پر مسلمانوں کی زبان قرار دے دیا اور اس کے مقابلہ میں ایک محدود بولی کو ایک مقامی رسم الخط کے ساتھ اُردو کے قدیم نام "ہندی" سے موسوم کرکے لا کھڑا کیا، یہ ہے وہ مقام جہاں سے اُردو ہندی کا جھگڑا شروع ہوتا ہے۔

ہندی کی اصلیت | سوال ہوسکتا ہے کہ جس ہندی کو ہندوستان میں رائج کرنے کی کوشش کیجا رہی ہے اُسے میں نے محدود مقامی بولی اور اس کے رسم الخط کو مقامی کیوں کہا ہے؟ جہاں تک بولچال کی زبان کا تعلق ہے یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اُردو یا ہندوستانی تمام ملک میں عمومی طور پر مشترک ہونیکے باوجود مختلف علاقوں اور مختلف طبقوں میں امتیازی رنگ رکھتی ہے مثلاً عربی داں مولوی کی اُردو، سنسکرت دان پنڈت کی اُردو سے بالکل مختلف ہوتی ہے، اہل علم کی اُردو اور بازار کی اُردو میں نمایاں فرق ہوتا ہے، اہل حرفہ کی

بول چال کی خصوصیات اور ہوتی ہیں، دوکان داروں اور تاجروں کے محاورات کچھ الگ ہوتے ہیں غرضیکہ دنیا کی ہر زبان میں اسی طرح مختلف پیشوں اور مختلف طبقوں کی بولی مخصوص رنگ رکھتی ہے چنانچہ اردو یا ہندوستانی میں بھی یہ مقامی اور جماعتی رنگ موجود ہے جس ہندی کو رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے وہ دراصل ہندوستانی زبان کی وہ مخصوص صورت ہے جو محض سنسکرت داں پنڈتوں کی بولی کہی جاسکتی ہے، اسی طرح اس کے لئے جو ناگری رسم الخط اختیار کیا جارہا ہے وہ بھی دراصل صرف یوپی کی زبان برج بھاشا کا رسم الخط ہے اور ہندوستان کے بہت سے رسوم الخط میں سے ایک ہے، اس لئے اس فارسی رسم الخط کے مقابلے میں جو سندھ سے آسام اور صوبہ سرحد سے مدراس تک ہر جگہ یکساں ہے ایک مقامی رسم الخط سے زیادہ حیثیت ہرگز نہیں رکھتا۔

یہ تو ہوا اس مسئلہ کا تاریخی پس منظر، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تحریک اسوقت کس منزل تک پہنچ چکی ہے، اس کا رُخ کس طرف ہے اور اس کا انجام کیا نظر آتا ہے۔

ہندوؤں کے خیالات اسوقت ہندوؤں کے خیالات کا جائزہ لیا جائے تو وہ اس معاملہ میں حسب ذیل سات جماعتوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔

(۱) وہ جو چاہتے ہیں کہ اُردو زبان اور رسم الخط کو بالکل مٹا دیا جائے اور اسکی جگہ ہندی کے نام سے سنسکرت رسم الخط میں ایسی خالص سنسکرتی زبان کو رواج دیا جائے جس میں غیر ملکی زبانوں بالخصوص عربی اور فارسی کے الفاظ بالکل نہوں، یہی ہندی زبان سرکاری طور پر ہندوستان کی مشترکہ زبان بن جائے اور یہاں کی تمام قومیں (مسلمانوں سمیت) اسی زبان کو استعمال کریں۔

(۲) وہ جو یہ جانتے ہوئے کہ اُردو زبان کو بالکل مٹایا نہیں جاسکتا اور عربی اور فارسی کے الفاظ کلیتہً خارج نہیں کئے جاسکتے، یہ چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہوسکے بدیشی لفظوں کے بجائے سنسکرت کے لفظ رکھے جائیں اور ناگری رسم الخط کے ساتھ ہندوستانی کو ہندی نما کر قومی اور سرکاری زبان بنا دیا جائے۔

(۳) وہ جو یہ محسوس کرتے ہوئے کہ زبان کی اس تبدیلی ہیئت کیلئے کافی عرصہ درکار ہے اس پر تُل گئے ہیں کہ موجودہ اُردو یا ہندوستانی ہی کو ہندی کا نام دیکر اور ناگری رسم الخط دیکر اس پر قبضہ جما لیا جائے۔

(۴) وہ جو کہتے ہیں کہ ہندوستان کی قومی زبان ہندوستانی قرار دیجائے اور اسے اردو اور ہندی دونوں خطوں میں لکھا جائے۔

(۵) وہ جو دیانتداری کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان، اُردو یا ہندوستانی ہے جو اردو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے لیکن قومی نصب العین کے پیش نظر اس امر کے متمنی ہیں کہ رفتہ رفتہ ہندی کو ناگری رسم الخط کے ساتھ رواج دیکر اس کو اُردو کا قائم مقام بنا دیا جائے۔

(۶) وہ جو اُردو کی ہمہ گیری کے باعث اُردو زبان کو اُردو رسم الخط کے ساتھ استعمال کرنے پر مجبور ہیں لیکن اس کے باوجود اُردو میں سنسکرت کے لفظ بھرنے اور اسے ہندی میں ڈھالنے کے پروگرام میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔

(۷) وہ جنہوں نے اردو زبان کی ترقی میں عملی حصّہ لیا ہے اور جو اُردو کے مقابلے میں ہندی کی طرف متوجہ ہونے کو رجعت پسندی سمجھتے ہیں۔

پہلی جماعت ان سات جماعتوں میں سے پہلی جماعت کے ہندو بالکل انتہا پسند مہا سبھائی ہیں، یہ عملی مشکلات کی پروا نکرتے ہوئے اپنے انتہائی نصب العین کی طرف نہایت سرگرمی سے گامزن ہیں۔ ہندوؤں کی عام قومی بیداری علمی و اقتصادی ترقی اور سیاسی کامیابی نے ان کے حوصلے بہت کچھ بڑھا دئے ہیں، انہوں نے نہ صرف عربی و فارسی الفاظ کی جگہ سنسکرت کے الفاظ شدّ و مد کے ساتھ بھرنے شروع کر دیئے ہیں مثلاً استقبال کی جگہ سواگت، روشن کی جگہ اُجاگر، خدمت کی جگہ سیوا۔ عصمت کی جگہ ستیہ وغیرہ بلکہ عام مروج ہندی الاصل الفاظ کو بھی قدیم صورت میں بدل لینا لازم کر لیا ہے، مثلاً برس کی جگہ ورش، آس کی جگہ آشا،

پر کی جگہ پرنتو وغیرہ، غرضیکہ اس جماعت کی تحریر و تقریر کچھ ایسی زبان میں ہوتی ہے کہ خود ہندو بھی بالعموم اسے سمجھ نہیں سکتے۔

دوسری جماعت | دوسری جماعت کے لوگ نصب العین کے لحاظ سے پہلی جماعت کے بالکل ہمخیال ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ان کو عملی مشکلات کا پورا پورا احساس ہے اور وہ اپنے طریق عمل کو حقایق کی روشنی میں متعین کرنا چاہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ عربی فارسی کے الفاظ ہندوستانی زبان میں پوری طرح گھل مل گئے ہیں اور اب ان کا جُدا کرنا گوشت سے ناخن کا جُدا کرنا ہے یہاں تک کہ نہ صرف ہندوؤں کے بہت سے عام نام عربی اور فارسی الفاظ سے مرکب ہیں مثلاً روشن لعل اقبال کرشن، حقیقت رائے، جواہر لال وغیرہ بلکہ خود ملک کا نام ہند اور ہندوستان، قوم کا نام ہندو اور زبان کا نام ہندی اور ہندوستانی خالص عربی اور فارسی کے الفاظ ہیں۔

اندریں حالات وہ سنسکرت کے الفاظ کی بھرتی اور ناگری رسم الخط کے ذریعے زبان کی ایک خاص حد تک ہئیت بدلنا چاہتے ہیں، اس جماعت کی سرگرمیاں بھی پہلی جماعت سے کسی طرح کم نہیں

تیسری جماعت | تیسری جماعت ہندو مقصد کے لحاظ سے پہلی اور دوسری جماعت سے متفق ہیں لیکن ان کا شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ وہ اپنے حصول مقصد کے لئے زیادہ انتظار گوارا نہیں کر سکتے، علاوہ ازیں انہوں نے تمام علمی مشکلات کا نہایت ہی آسان حل تلاش کر لیا ہے وہ یہ کہ اپنے لئے ایک نئی عمارت تعمیر کرنے کی زحمت اُٹھانے کے بجائے کسی موجودہ عمارت کا کتبہ اُتار کر اس پر اپنا سائن بورڈ آویزاں کر دیا جائے چنانچہ ان لوگوں کا عام طریقہ یہ ہے کہ خواہ کوئی مقرر خالص اُردو میں تقریر کیوں نکرے یہ اخبارات میں بے تکلف لکھدیتے ہیں کہ اُس نے ہندی میں تقریر کی، خالص اُردو فلموں کا جب اشتہار دیتے ہیں تو اسے بھی ہندی (HINDI VERSION) ہی بتاتے ہیں، عام ہندوستانی بول چال پر بھی نہایت دیدہ دلیری سے ہندی کا نام تھوپ دیتے ہیں، لاہور میں ہندی کے مشہور کارکن کاکا لیکھ بشیر احمد صاحب سکرٹری انجمن اُردو پنجاب سے بالکل صاف شستہ اردو میں بات چیت کرتے رہے

لیکن جب اُردو ہندی کی بحث درمیان آئی تو بے دھڑک کہہ اُٹھے کہ جو زبان آپ بول رہے ہیں یہی تو ہندی ہے! چونکہ اس تیسری جماعت کا کام مقابلۃً آسان ہے اس لئے اس کا پروپاگنڈا بہت زور پکڑتا جارہا ہے اور خاص طور پر انگریزی اخبارات کے ذریعے اس تحریک کو بہت ترقی دی جارہی ہے۔

چوتھی جماعت | چوتھی جماعت کا فیصلہ وہی ہے جو کانگریس نے بڑے سوچ بچار کے بعد کیا ہے یہ اُن ہندوؤں کا نقطہ نظر ہے جو ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کا تصور رکھتے ہیں، ہندو مسلم اتحاد کو ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ مسلمانوں ہی کی خاطر سے اُردو رسم الخط کو بھی برقرار رکھنے کی اجازت دیتے ہیں اور بظاہر بڑے آزاد خیال معلوم ہوتے ہیں لیکن جب اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ ایک تو اُردو رسم الخط اسوقت مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں رائج ہے اور دوسرے اسوقت ہندوؤں میں ہندی تحریک زور شور سے جاری ہے، تو ایسی حالت میں دونوں رسم الخطوں کی اجازت دیدینا گویا اُردو کو کمزور کرکے ہندی کو تقویت دینے کا ایک آسان طریقہ ہے، ساتھ ہی جب ہندوؤں کی اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت اس اجازت کے مطابق الگ الگ رسم الخط اختیار کریگی تو ہندی کے غالب آجانے میں کسی قسم کے شک کی گنجایش باقی نہیں رہ سکتی، غرضیکہ اس جماعت کا بظاہر منصفانہ اور روادارانہ رویہ بھی درحقیقت اسی نصب العین کی طرف لیجانے والا ہے جو انتہا پسند جماعتوں نے مقرر کر رکھا ہے۔

پانچویں جماعت | پانچویں جماعت میں ہندوؤں کی کافی تعداد ہے جسمیں سر تیج بہادر سپرو، پنڈت جواہر لال نہرو، راجہ نریندر ناتھ اور بابو راجندر پرشاد جیسے اکابر بھی شمار کئے جاسکتے ہیں، لیکن اُردو زبان کے متعلق ان کے اعتراف کے باوجود اور اُردو سے ان کی عملی دلچسپی کے ہوتے ہوئے بھی اُردو کو اُن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ اس رَو کے مقابلہ میں ہرگز کھڑے ہونا نہیں چاہتے جو اُن کی تمام قوم کو ایک خاص سمت میں بہائے لئے جاتی ہے

ان کے اعترافات محض اظہار واقعہ کے طور پر ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اس صورتِ حال کو برقرار رکھنے کے بھی دل سے خواہشمند ہوں۔

چھٹی جماعت چھٹی جماعت میں خاص طور پر وہ ہندو اخبارات و رسائل شمار کئے جا سکتے ہیں جو اُردو رسم الخط میں شائع ہوتے ہیں، پنجاب، دہلی اور یو، پی میں اسکی بکثرت مثالیں مل سکتی ہیں، ان جرائد کی اشاعت ہزاروں کی تعداد میں ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کو زیادہ تر ہندو ہی پڑھتے ہیں، یہ اخبارات اُردو زبان کی وسعت و ہمہ گیری اور اس کے ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہونے کا زندہ ثبوت ہیں، لیکن کس قدر افسوسناک ذہنیت کا مظاہرہ ہے کہ یہی اُردو اخبارات اُردو کی مخالفت اور ہندی کی حمایت میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں اور اُردو میں سنسکرت کے الفاظ بھرتی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے، طُرفہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض اخبارات نے ہندی ایڈیشن بھی ساتھ جاری کر رکھے ہیں۔ سردست اُردو ایڈیشنوں کی ہردلعزیزی اور ہندی ایڈیشنوں کی قلت اشاعت دونوں زبانوں کی باہمی حیثیت کا اندازہ لگانے کے نہایت معتبر پیمانے ہیں۔ لیکن ہندی کی موجودہ تحریک کے ہوتے ہوئے یہ ہندو اخبارات غالباً صرف اسی بات کے منتظر ہیں کہ ہندوؤں میں ہندی کا پلڑا کب جھکتا ہے، جونہی ان اخبارات کے ہندی ایڈیشنوں کی اشاعت میں اُردو ایڈیشنوں سے بڑھ جانے کے آثار نظر آنے لگے، یہ اُردو ایڈیشن یکقلم موقوف ہو جائیں گے، اس جماعت کی گویا وہی مثال ہے کہ لڑائی کے وقت ایک دستہ بظاہر دوست بن کر مخالف فوج کے ساتھ جا ملے اور اس کے قلعہ کے اندر پہنچکر دیواروں کی بیخ کنی کی کوشش میں لگا رہے۔

ساتویں جماعت ساتویں جماعت بلاشبہ حق پسند ہندوؤں پر مشتمل ہے، وہ اُردو کی صحیح حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں، ہندی کو ایک مقامی اور محدود زبان سمجھتے ہیں، اُردو کے مقابلہ میں اسے بالکل نارسیدہ زبان جانتے ہیں، ان کا ذوق سلیم دونوں زبانوں کے معیار و مراتب کے فرق کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے لیکن افسوس کہ اس جماعت کی تعداد قلیل ہے اور متذکرہ بالا

جماعتوں کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی، جہاں یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ یہ باقی ہندوؤں پر اپنا اثر ڈال سکیں وہاں یہ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ "ہمہ یاران دوزخ ہمہ یاران بہشت" کے دیرینہ اصول کے مطابق کسی وقت یہ بھی ہندی تحریک کے بادل ناخواستہ حامی بن جائیں۔

مسلمانوں کے خیالات یہاں تک تو ہوا برادران وطن کے خیالات کا جائزہ، اب ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خیالات کا اندازہ لگایا جائے تو ان میں بھی ذیل کے پانچ مختلف طبقے نظر آتے ہیں۔

(۱) وہ جو انگریزی ادبیات سے اسقدر شغف رکھتے ہیں کہ انکو اردو سے کوئی خاص دلچسپی نہیں

(۲) وہ جو ملک کی مشترکہ زبان "ہندوستانی" قرار دیتے ہیں اور اردو و ناگری دونوں رسم الخطوں کو جاری رکھنا عین مناسب سمجھتے ہیں۔

(۳) وہ جو سمجھتے ہیں کہ اردو زبان ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اور دونوں میں اردو رسم الخط کیساتھ جاری ہے، ہندی کی تحریک اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

(۴) وہ جو ہندی تحریک کی قوت کو پہچانتے ہوئے جان گئے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے اردو زبان اور رسم الخط کا تحفظ ضروری ہے، لیکن مصلحتاً ہندوؤں کو بھی اپنے ساتھ شامل رکھنا چاہتے ہیں

(۵) وہ جو اردو زبان کو اردو رسم الخط کے ساتھ خالص اسلامی زبان سمجھتے ہیں اور اس کے تحفظ کا ذمہ دار صرف مسلمانوں کو ٹھیراتے ہیں۔

پہلا طبقہ ان میں سے پہلا طبقہ انگریزی ادبیات میں حد سے زیادہ شغف رکھتا ہے، یہ اصحاب مطالعہ کرتے ہیں تو انگریزی کتابوں، رسالوں اور اخباروں کا۔ خط و کتابت کرتے ہیں تو انگریزی میں، ان کی انجمنوں کی تمام تر کارروائی انگریزی میں ہوتی ہے، ان کے دروازوں پر سائن بورڈ بھی انگریزی میں لکھا ہوا ہوتا ہے، یہ اپنی ڈائری بھی انگریزی میں لکھتے ہیں، دستخط انگریزی میں کرتے ہیں، غرض کہ انگریزی زبان ان کا اوڑھنا بچھونا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اردو سے یا تو قطعاً نابلد ہو جاتے ہیں یا کم از کم اسقدر بے تعلق کہ مجبوری کے وقت بولنے کے سوا

اس زبان سے انہیں کوئی واسطہ نہیں رہتا، چونکہ اس طبقہ میں اکثریت تعلیمیافتہ مسلمانوں کی ہوتی ہے اسلئے اُردو زبان ایک ایسے طبقے کی خدمات سے محروم ہو جاتی ہے جس سے زبان کی ادبیات کو بہت کچھ امداد کی توقع ہو سکتی تھی، طرفہ یہ کہ خدمت تو ایکطرف رہی بعض اوقات اس طبقے کی طرف سے ایسی تجاویز پیش ہوتی ہیں جو اُردو کے حق میں زہر قاتل کا اثر رکھتی ہیں یہی طبقہ ہے جو اُردو رسم الخط سے پوری طرح واقف نہونیکے باعث اس میں دِقت محسوس کرتا ہے اور اس بنا پر اسمیں اسے بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں، مثلاً بالکل، تقریباً۔ خورد، فی الواقع، حتی الوسع وغیرہ الفاظ کی تحریر انہیں بے قاعدہ معلوم ہوتی ہے، ق اور ک، ت اور ط، ث اور س اور ص وغیرہ کا فرق اُن کے ذہن نشین نہیں ہوتا، حروف کی مفرد اور مرکب صورتوں کا اختلاف انہیں پریشان کر دیتا ہے، یہ تمام "مشکلات" اُنہیں اُردو رسم الخط سے متنفر کر دیتی ہیں اور یا تو وہ اس رسم الخط کی اصلاح کی گوناگوں عجیب و غریب صورتیں تجویز کرتے ہیں اور یا سرے سے اسکی جگہ لاطینی رسم الخط رائج کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ اُردو زبان کے لئے اپنوں کی یہ جماعت اغیار کی انتہا پسند سے انتہا پسند جماعت کی بہ نسبت بھی زیادہ خطرناک ہے۔

دوسرا طبقہ دوسرے طبقہ میں بالعموم وہ مسلمان شامل ہیں جو کانگریس کے حامی ہیں، یہ لوگ ملک کی مشترکہ زبان ہندوستانی قرار دیکر اُردو اور دیوناگری دونوں خطوں کو جاری رکھنا مناسب سمجھتے ہیں، بظاہر ان کا یہ نظریہ عین تقاضائے انصاف معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس جماعت کے ہاتھوں اُردو زبان کو بہت کچھ نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے اسوقت اُردو زبان اُردو رسم الخط کے ساتھ ہندوستان میں سب سے زائد وسعت رکھتی ہے، ادھر ہندوؤں میں ہندی رسم الخط کی تحریک زور شور سے جاری ہے۔ ایسی حالت میں قوم پرست ہندوؤں کو خوش کرنے کی خاطر ہندی خط کی اجازت دیدینا بھی اُردو پر ضرب کاری لگانے کے مترادف ہے، اس جماعت کے بعض مسلمان تو ان حدود تک پہنچ جاتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے ہندوؤں کو اُردو رسم الخط اور مسلمانوں کو

ہندی رسم الخط سیکھ لینا چاہیے، اسوقت جبکہ اُردو رسم الخط ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترکہ طور پر لیکن ہندی صرف ہندوؤں کے ایک جزوی طبقے میں رائج ہے، اس مشورہ پر عمل کرانا گویا کھلے طور پر اُردو کی جگہ ہندی کو دے دینا ہے۔

اسی طبقہ کے بعض مسلمان اس مصلحت پر عمل پیرا ہیں کہ اُردو کا نام بدل کر "ہندوستانی" رکھدیا جائے، جہاں تک امر واقعہ ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستانی اور اُردو ایک ہی زبان کے دو نام ہیں بلکہ ایک لحاظ سے ہندی بھی اسی زبان کا قدیم نام ہے۔ لیکن اسوقت جو عصبیت کی رو چل رہی ہے اس کے سامنے نام کا سوال کچھ حقیقت نہیں رکھتا، اصل مقصد تو اُردو کے قرآنی رسم الخط کو مٹانا ہے، اسی زبان کو جب دیوناگری رسم الخط میں لکھا جائے گا تو خواہ آپ اسے ہندوستانی کہتے رہیں خواہ اُردو وہ لامحالہ ہندی ہی ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں محض نام کی مصلحت بھی دیر تک قائم نہیں رہ سکتی، کیونکہ اُردو کو ہندوستانی کہنے کی تحریک کا مناسب توڑ بھی سوچ لیا گیا ہے، جب ہندو یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی کے مشترکہ نام سے اُردو زبان فائدہ اُٹھاتی ہے تو گاندھی جی جیسے اکابر جھٹ ہندوستانی کو "ہندی الفوا ہندوستانی" کا اصطلاحی نام دیکر یہ گنجایش بھی باقی نہیں رہنے دیتے۔

تیسرا طبقہ | تیسرے طبقے کے مسلمان اس خیال میں مگن ہیں کہ اُردو زبان ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں رائج ہے، سرکاری طور پر منظور شدہ ہے اور مرور زمانہ نے اسکی بنیادیں مضبوط کردی ہیں ہندو لاکھ کوشش کریں اسکو نقصان نہیں پہونچا سکتے اور اس کے مقابلہ میں کسی اور زبان کو کامیاب نہیں بنا سکتے۔ جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے اس خیال کی صحت میں کچھ شبہ نہیں لیکن مستقبل کے متعلق ان کا تیقن نہ صرف مناسب حد سے بڑھا ہوا ہے بلکہ کسی حد تک غفلت آموز بھی ہے اُردو زبان واقعی اسوقت نہایت وسعت کے ساتھ رائج ہے اور ہندی کے لئے اسکی صحیح جانشینی ناممکن ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ اسوقت اُردو ہی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھ کر ہندی کا نام دیا جا رہا ہے، باقی رہی حکومت کی سرپرستی تو تازہ انقلابات نے واضح کردیا ہے کہ کسی

حکومت اور بالخصوص غیر ملکی حکومت کی سرپرستی پر زیادہ عرصہ تک بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ہندوستان میں جو جماعت بھی سیاسی قوت حاصل کرے گی حکومت اسی کے ہاتھ میں ہوگی جس طرح انگریزوں کے ابتدائی دور میں سرکاری زبان فارسی رہی لیکن قلم کی ایک جنبش سے فارسی کے بجائے انگریزی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا، اسی طرح ہندوستان میں اگر ہندو سیاسی قوت حاصل کر لیں تو ان کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اُردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان بنا لیں

چوتھا طبقہ اس طبقہ کے مسلمان حقیقت حال کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن ان کی اعتدال پسندی انہیں اس مصلحت پر آمادہ رکھتی ہے کہ ہندوؤں کو بھی اُردو کی حمایت میں حتی الوسع ساتھ رکھا جائے اس خیال کے مسلمان کبھی تو اُردو کے ہندو ادیبوں کے کارناموں کو نمایاں کرتے ہیں، کبھی ہندوؤں میں اُردو زبان کے موجودہ رواج کی اہمیت پر زور دیتے ہیں، کبھی اُردو اور ناگری خطوں کا مقابلہ کر کے اُردو کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی اعتدال پسند ہندوؤں کو اُردو کی حمایت پر مائل کرنے کے ساتھ ساتھ انتہا پسند ہندوؤں کی بارگاہ میں نہایت عاجزی سے رحم کی درخواست کرتے ہیں اور انہیں متحدہ قومیت کا واسطہ دیکر کہتے ہیں کہ خدارا ہندی کی حمایت کے جوش میں اُردو کی تباہی کے درپے تو نہ ہو جائیے۔ ظاہر ہے کہ اس خیال کے مسلمانوں کی یہ مصلحت اندیشی اس قومی رو کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو ہر طبقہ کے ہندوؤں میں پیدا ہو چکی ہے، ہندی تحریک اس قومی جذبہ کے زیر اثر اسقدر زور پکڑتی جا رہی ہے کہ اُردو زبان کے بہت سے بلند پایہ ہندو ادیب ہندی ادبیات میں حصہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں، چنانچہ منشی پریم چند آنجہانی جیسا ادیب اسی اثر کے ماتحت ہندی کی طرف جھک گیا۔

اسی سلسلہ میں اُردو اور دیوناگری خطوط کا مقابلہ اور ایک خط پر دوسرے کی ترجیح کی کوشش محض مضحکہ انگیز ہے کیونکہ جب کسی تحریک کی تہ میں کوئی خاص تعصب کارفرما ہو تو پھر ادبی، فنی اور منطقی موشگافیاں بالکل بیکار ثابت ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اُردو رسم الخط پر کوئی فوقیت رکھتا ہے بلکہ وہاں تو محض

"ہندو تہذیب" کے احیار کا جذبہ کام کر رہا ہے۔

پانچواں طبقہ یہ طبقہ انتہا پسند مسلمانوں کا ہے، جہاں تک موجودہ صورت حال کا تعلق ہے ان کا خیال بظاہر غلط نظر آتا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو زبان، اُردو رسم الخط کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام میں بھی نہایت وسیع پیمانے پر رائج ہے لیکن جب مستقبل کی طرف توجہ کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اقوام میں اس کا رواج محض ماضی کے اثرات کا نتیجہ ہے اور نئی نسل میں ہندی کو جس زور شور سے رائج کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر وہ دن دور نہیں کہ جب اس زبان کی حفاظت صرف مسلمانوں ہی کے سر رہ جائے، ہندوؤں میں لڑکیوں کی تعلیم تو تمام تر ہندی زبان اور رسم الخط میں ہو رہی ہے اور لڑکوں کو بھی اب اُردو سے ہٹا کر ہندی کی طرف مائل کیا جا رہا ہے، اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔

تبصرہ یہاں تک ہم نے سرسری نظر سے یہ دیکھ لیا کہ اُردو اور ہندی کے متعلق اسوقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قسم کے مختلف خیالات موجود ہیں اور مختلف تحریکات کا رُخ کس طرف ہے، مختصر لفظوں میں یہ کہ ہندوؤں میں اپنی تہذیب کے احیار کا ایک عمومی جذبہ پیدا ہو چکا ہے، اور ان کے بظاہر مختلف الخیال طبقے اس مقصد میں بالکل متفق ہیں کہ ہندوستان میں ہندی زبان کو ہندی رسم الخط کے ساتھ رائج کر دیا جائے۔ وہ لاکھ کہیں کہ اُردو سے اُن کو کوئی مخاصمت نہیں ہے لیکن ان کا جو پروگرام ہے اسکو کامیاب بنانیکے لئے ضروری ہے کہ اُردو سے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہونے کی حیثیت چھین لیجائے اور اسکی کرسی پر ہندی کو بٹھا دیا جائے، اس کے برعکس مسلمانوں کے پیش نظر نہ کوئی خاص مقصد ہے نہ لائحہ عمل، اسوقت تک اُردو کو جو اثر اور وسعت حاصل ہے وہ کسی جماعت کی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خود اُردو کی فطری صلاحیتوں کا نتیجہ ہے جہاں تک مسلمانوں کے طرز عمل کا تعلق ہے سو وہ یا تو غفلت پر مبنی ہے یا خود فریبی پر۔

مسئلہ کی اصلیت مسلمانوں کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقی سوال محض زبان کی بقا اور تحفظ کا نہیں کیونکہ برادران وطن کی ہزار کوششوں کے باوجود ہماری موجودہ اُردو زبان ہندوستانی

یا ہندی کے نام سے برابر موجود رہے گی، سنسکرت کے الفاظ کی بھرتی سے اسکی صورت خواہ کتنی ہی مسخ کیوں نکر دیجائے اسکی اصلیت میں چنداں فرق نہیں آسکتا، سب سے بڑا خطرہ جو درپیش ہے وہ رسم الخط کی تبدیلی کا ہے، اس میں ذرا بھی بحث کی گنجائش نہیں کہ اردو .... رسم الخط خالص اسلامی ہے، ہندوؤں کی سیاسی بیداری اب اس رسم الخط کے مٹانے کے درپے ہے اور اسکی جگہ ہندی خط رائج کرنا چاہتی ہے لہذا اصلی مسئلہ رسم الخط کا رہ جاتا ہے اور اس رسم الخط کی بقا کا انحصار محض مسلمانوں پر ہے،

مسلمانوں کا وہ طبقہ جو زبان کے بارے میں مصالحت کی یہ صورت پیدا کرتا ہے کہ زبان کا نام ہندوستانی ہو اور رسم الخط اردو ہندی دونوں ساتھ ساتھ جاری رہیں نہ صرف اصل مسئلہ کے حل سے گریز کرتا ہے بلکہ وہ اس معاملہ میں ہندوؤں کی اکثریت سے مرعوب بھی معلوم ہوتا ہے، وہ یہ فرض کرلیتا ہے کہ ملک میں آخر وہی خط جاری ہوکر رہے گا جس کی حمایت اکثریت کریگی۔ لہذا وہ اکثریت کے آگے ہتھیار ڈال کر ہندی رسم الخط کا حق تسلیم کرلیتا ہے، بظاہر یہ ایک سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ ایک کھلی غلط فہمی ہے سب سے پہلے تو خود اردو زبان کی تاریخ ہی اس خیال کو جھٹلاتی ہے، مسلمان اس ملک میں بہت ہی قلیل تعداد میں آئے۔ اور سات سو سال کی حکومت کے باوجود ہمیشہ اقلیت ہی میں رہے، وہ اپنے ساتھ عربی اور فارسی کا اسلامی رسم الخط لائے اور اقلیت ہی کی حالت میں اس رسم الخط کو ہندوستان کی زبان پر اس طرح عاید کیا کہ اکثریت کو وہی رسم الخط قبول کرنا پڑا۔ اگر زبان اور رسم الخط کے رواج کیلئے اکثریت ہی کی حمایت سب سے ضروری شرط ہوتی، تو ہندوستان میں اردو رسم الخط کبھی فروغ حاصل نکر سکتا۔ اسکو بھی جانے دیجئے اور موجودہ زمانہ میں انگریزی زبان کی ترقی پر نظر ڈالئے، جہاں تک تعداد کا تعلق ہے، انگریز اس ملک میں ایک معمولی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اسکے باوجود انگریزی زبان یہاں جسقدر زور پکڑ چکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اردو اور ہندی آپس میں خواہ کتنے ہی لڑتے رہیں انگریزی کے مقابلہ میں دونوں کا سر نیچا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ نہ ابھی تک صرف کانگریس اور مسلم لیگ جیسے قومی ادارے

انگریزی زبان کے استعمال کرنے پر مجبور ہیں بلکہ ملک کے سب سے کثیر الاشاعت اخبارات بھی انگریزی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ زبان اور اس کے رسم الخط کا رواج کسی قوم کی تعداد اور اکثریت پر منحصر نہیں ہے بلکہ صرف سیاسی تفوق، علمی افضلیت اور تمدنی برتری پر منحصر ہے، جب تک مسلمانوں کو یہ حیثیت حاصل رہی اُن کا رسم الخط رائج رہا، جب انگریزوں کی بدی آئی ان کی زبان فروغ پا گئی اسی طرح آئندہ کیلئے اُردو یا ہندی رسم الخط کا رواج محض اس امر پر منحصر ہے کہ مستقبل میں زیادہ سیاسی قوت مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے یا ہندوؤں کو جنکی سیاسی قوت بڑھ جائیگی، انہیں کی زبان اور انہی کے رسم الخط کا سکہ روان ہو جائیگا۔

سیاسی اقتدار کا اثر یہاں ایک یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ سیاسی تفوق کا اثر محض زبان کے ظاہری رواج ہی پر نہیں پڑتا بلکہ خود زبان کے الفاظ کے اندر سرایت کر جاتا ہے، دو قوموں کے سیاسی اقتدار میں جو فرق ہوگا وہ ان کی زبانوں کے ہم معنی الفاظ میں پوری طرح منعکس ہوتا رہیگا مثلاً اُردو کا لفظ مستری اور انگریزی کا لفظ میکینک بالکل ہم معنی ہیں لیکن حکمران قوم کی زبان کا یہی لفظ محکوم قوم کی زبان کے لفظ پر فوقیت رکھتا ہے، یہاں تک کہ ایک مستری یا میکینک اپنے آپ کو میکینک کہکر فخر کرے گا لیکن مستری کہلانے میں اُسے عار محسوس ہوگی، ایک اور مثال اس نکتہ کی مزید وضاحت کر دے گی،

اُردو زبان میں بادشاہ، انگریزی میں کنگ اور ہندی یا سنسکرت میں راجہ بالکل ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسی طرح شہنشاہ، امپرر، مہاراج ادھیراج تینوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں لیکن چونکہ ہندوؤں میں کوئی آزاد اور خود مختار راج موجود نہیں ہے، اور ان کے جس قدر حکمران ہیں وہ یا تو مسلمان بادشاہوں کے ماتحت رہے یا اب انگریزوں کے زیر اقتدار ہیں، اس لئے الفاظ راجہ، مہاراجہ حتی کہ مہاراج، ادھیراج اپنے اصلی معانی کھو بیٹھے ہیں، اور اب ان الفاظ سے کبھی کسی آزاد حکومت کا تصور نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں چونکہ مسلمانوں کی بفضلہ تعالیٰ آزاد حکومتیں موجود ہیں اس لئے بادشاہ اور شہنشاہ کے الفاظ بدستور اپنا اصلی مفہوم ادا کر رہے ہیں

البتہ چونکہ مغربی اقوام کا سیاسی اقتدار بڑھا ہوا ہے، ان کے الفاظ کنگ اور امپریس میں اسی قدر زیادہ شان و شوکت پائی جاتی ہے۔

غرضیکہ سیاسی اقتدار کا عکس زبان پر نہایت واضح طور پر پڑتا ہے اور فی الحقیقت کسی زبان کا رواج اور فروغ اُس زبان کو بولنے والی قوم کی سیاسی قوت ہی پر منحصر ہوتا ہے، اسوقت ہندوستان میں اُردو ہندی کی جو بحث جاری ہے اس کے باقی تمام پہلو محض جزوی حیثیت رکھتے ہیں، سب سے بڑا معیار ہندوؤں اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کا باہمی تفاوت ہے۔ اُردو زبان اور اس کا رسم الخط مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے ساتھ پوری طرح وابستہ ہے، اگر مسلمانان ہند نے پوری طرح منظم ہو کر ہندوستان میں اپنی سیاسی قوت کا لوہا منوالیا، تو کوئی طاقت اُن کی زبان اور رسم الخط کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن اگر خدانخواستہ انکی سیاست باہمی اختلافات کی نذر ہو گئی اور ہندوستان کے آنے والے دورِ آزادی میں اُن کو کوئی باعزت جگہ نہ مل سکی تو یاد رکھئے کہ اُردو زبان کی فطری صلاحیتیں، اُردو رسم الخط کی فنی خوبیاں کسی طرح بھی اپنی حالت برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گی۔

اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اردو ہندی کی بحث میں اُلجھنا بھی درحقیقت اصل مقصد سے ذرا ہٹ جانے کے برابر ہے لہٰذا اسوقت مسلمانانِ ہند کا سب سے بڑا مسئلہ باہمی تنظیم، ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل اور سیاسی اقتدار کی تدبیر ہے، اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو اُردو زبان اور اس کے اسلامی رسم الخط کے تحفظ کا سامان خود بخود ہو جائے گا۔

انشاء اللہ کسی آئندہ اشاعت میں اُردو زبان کے تحفظ کی عملی تجاویز پر بھی اظہار خیال کیا جائے گا۔

حقائق و عبر

(ادارہ)

(۱) شعاع اُمید

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۲۸/۴۲

اللہ کی وہ ذات اقدس ہے کہ جب لوگ خشک سالی سے ناامید و مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے دامانِ رحمت کو پھیلا دیتا ہے اور مینہ برساتا ہے۔ وہ کارساز (و کریم) بڑا دارحمد وستائش ہے

کس آنکھ نے اس نظارہ کو نہیں دیکھا کہ جب خشک سالی کے زمانہ میں آسمان سے پانی کی جگہ آگ برسنی شروع ہو جاتی ہے تو وہ سطحِ ارض سے ہر اس رطوبت کو چوس لیتی ہے جو نباتی اور حیوانی زندگی کا آخری سہارا ہوتی ہے۔ لہلہاتے کھیت سوکھ کر زرد پڑ جاتے ہیں۔ شگفتہ و شاداب پھول مرجھا کر پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ تمازتِ آفتاب کی شعلہ باریاں ہر شے کی تر و تازگی کو جھلس دیتی ہیں اس انتہائی یاس و قنوط کے عالم میں نگاہیں رہ رہ کر آسمان کیطرف اٹھتی ہیں اور ہراساں و پریشاں واپس لوٹ آتی ہیں کہ اتنے میں سمت کعبہ سے ایک چھوٹی سی بدلی۔ بہار صد گلستاں بداماں لیے۔ اٹھتی ہے۔ جو ہر مایوس نگاہ اور ہر مضطرب قلب کے لیے شگفتگی و شادابی کے ہزاروں نزہت بخش پیغام اپنے ساتھ لاتی ہے اور اپنے ایک ایک قطرے سے خاک کے ذرّوں میں پھر زندگی کے آثار پیدا کر دیتی ہے۔ "کذالک یحیی اللہ الارض بعد موتہا۔ اور یوں اللہ اس زمینِ مُردہ کو حیاتِ تازہ بخشدیتا ہے"۔

جس طرح ایک چھوٹی سی بدلی زمینِ مردہ کے لیے حیاتِ تازہ کے آثار کا پتہ دیتی ہے۔

اسی طرح بعض چھوٹے چھوٹے واقعات اقوامِ مردہ میں ایک نئی زندگی کی نمود کی علامات ہوجاتے ہیں۔ جب سے اصلاحات جدیدہ کے ماتحت ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کا وجود عمل میں آیا ہے ہر حساس نگاہ مسلمان اراکین کی یہ کیفیت مشاہدہ کرتی تھی کہ ریت کے منتشر ذرّوں کی طرح چار ایک طرف کی ہوا کے جھونکے کے ساتھ اڑ گئے۔ دو پانی کی کسی تیز رَو کے ساتھ بہ گئے۔ نہ اپنی کوئی جماعت نہ اس جماعت کا کوئی مرکز۔ یہ تشتت وانتشار۔ یہ تحزب وتشیع۔ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کی یاس انگیز کیفیت۔ ہر دلِ دردآشنا کو سکون ناآشنا بنا رہی تھی، مایوس نگاہیں چاروں طرف اٹھتی تھیں کہ اُن کے لیے بھی سامانِ زیست کی حامل کوئی بدلی کہیں نظر آئے لیکن ہر بار وہ نااُمیدیوں کے بگدلوں میں اُلجھ کر رہ جاتی تھیں۔ بارے اسمبلی کے اجلاس رواں کے شروع میں سماءِ شملہ پر ایک ایسی بدلی نمودار ہوئی جس میں حیاتِ تازہ کے کچھ آثار پوشیدہ نظر آئے۔ یہ منتشر ذرّے سمٹ کر ایک جگہ ہوگئے، اور جناب مسٹر جناح کے زیرِ قیادت اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کا وجود عمل میں آگیا جو کانگریس پارٹی کے بعد سب سے بڑی پارٹی کہلا سکتی ہے لذالک یحیی اللہ الارض بعد موتھا ہرچند یہ جماعت ایک مختصر سی جماعت ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اِس ہولناک دورِ انفرادیت میں اتنی سی اجتماعیت کون سی ایسی بشارت کبریٰ ہے جس کے لیے یوں مسرّت وشادمانی کے سجدہ ہائے شکرانہ بجالائے جائیں لیکن ہمارے نزدیک ہر وہ قدم جو انفرادیت سے اجتماعیت کیطرف۔ انتشار سے ائتلاف کیطرف۔ پراگندگی سے یک نگہی کیطرف اُٹھے وہ قدم شرک سے توحید کیطرف اُٹھتا ہے۔ اور اِس لیے ہر قلبِ مومن کے لیے باعثِ ہزار مسرّت بہجت ہوتا ہے۔ یہی وہ آثارِ حیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

ہم ان اراکین حضرات کیخدمت میں جو اپنے آپ کو اِس اسلامی جماعت کے ساتھ وابستہ کرچکے ہیں بصمیم قلب ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اُن کی یہ یک جہتی وہم آہنگی قلب

و دماغ کی یک جہتی وہم آہنگی ہو اور جو قدم اس راستہ میں اُٹھے ہیں وہ اب آگے ہی آگے بڑھتے جائیں۔ پیچھے نہ ہٹیں۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

وہ مسلم اراکین جو ابھی تک اس جماعت سے الگ ہیں۔ ہم اُن کی خدمت میں اپنی طرف سے کچھ گزارش کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس ذات اقدس واعظم صلعم (فداہ ابی و امی) کا ایک ارشاد گرامی پیش کرتے ہیں جن کی اُمّت ہونے کا اُنہیں دعوےٰ ہے کہ:۔

علیکم بالجماعۃ۔ فانّہٗ من شذّ۔ شذّ فی النار

"ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ سیدھا جہنم میں گیا"

اوران متفرقین حضرات میں سے جو اراکین غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ شامل ہوکر "مخلوط جماعتیں" قایم کررہے ہیں اُن کی خدمت میں تو ہم اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر قرآن کریم کا یہ فیصلہ پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ امرھم شوریٰ بینھم مسلمانوں کے تمام اُمور اُن کے آپس کے باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں مسلم وغیر مسلم کی مخلوط بزم مشاورت مسلمانوں کے معاملات کو طے کرنے کی مجاز نہیں ہے اور اسی طرح مسلمان کسی غیر مسلم کی قیادت میں بھی نہیں چلسکتا قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اطاعت اسی امیر کی ہونی چاہیئے جو تم میں سے ہو۔ جو اولی الامر منکم ہو۔ کتاب وسنت کے ان واضح فیصلوں کی موجودگی میں معلوم نہیں یہ حضرات اپنے مسلک کے جواز میں کیا دلیل اپنے پاس رکھتے ہیں۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ۔

خدا کرے کہ یہ چند سطور ان حضرات کی نگاہوں سے بھی گزر جائیں اور وہ خود فیصلہ کرلیں کہ ایک مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے کون سی راہ عمل اختیار کرنی چاہیئے۔ اے کاش کوئی آشنا ان کے گوش گزار کردے کہ ؎

دگر بشاخ گل آویز و آب و نم درکش
پریدہ رنگ ز باد صبا چہ می جوئی!

(۲) احساسِ اجتماعیت

اسی احساس اجتماعیت کا مظاہرہ وہ پرشکوہ جلوس تھا جس سے مسلمانانِ شملہ نے ۲ اگست کو مسٹر جناح کا استقبال کیا اور جو شملہ کی تاریخ میں فی الحقیقت ایک عدیم النظیر حیثیت رکھتا ہے۔ ہم رسمی تکلفات اور تقلیدی مظاہرات کو چنداں وقعت نہیں دیتے۔ لیکن جن آنکھوں نے اس مظاہرہ کو دیکھا وہ اسپر شاہد ہیں کہ یہ ایک رسمی و تقلیدی مظاہرہ ہی نہ تھا۔ بلکہ دلوں کی سچی تڑپ اور خون کی حقیقی حرارت کا آئینہ دار تھا۔ اجتماعیت کا وہ آئینِ زندگی جو اسلام نے آکر نوعِ انسانی کو سکھایا تھا۔ سوختہ سامان مسلمانوں کی نگاہوں سے ایک عرصہ سے اوجھل ہو چکا ہے لیکن ان مظاہرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لُٹے ہوئے قافلہ کے راہ گم کردہ مسافروں کو پھر سے احساس ہو رہا ہے اور وہ اپنی لُٹی ہوئی متاع کی بازیابی کے لیے پھر کسی صحیح راہ کی تلاش میں ہیں۔

یہی احساس اس پُرکیف تقریب میں نمایاں تھا جو ۱۳ اگست کی شام صندل ہال (اسلامیہ ہائی اسکول شملہ) میں منعقد ہوئی جس میں انجمن اسلامیہ نے مسٹر جناح اور اُنکے رفقائے کار (یعنی اسمبلی کی لیگ پارٹی) کے اراکین کے اعزاز میں دعوتِ عصرانہ (شام کی چائے) کا اہتمام کیا تھا۔ شملہ کے آسمان نے اس سے پیشتر ایسی تقاریب کم دیکھی ہوں گی۔ اس میں بھی صاف صاف نظر آرہا تھا کہ رسمی تکلفات نہیں بلکہ قلوب کی والہانہ شیفتگی باعثِ گرمیٔ محفل ہے۔ اس قسم کے ہنگامے اور مظاہرے ایک حقیقی احساسِ زیست کے آئینہ دار ہوا کرتے ہیں۔

چہ عجب کہ اس خود فراموش قوم کی عذاب کی مدت اب ختم ہو رہی ہو اور یہ پھر سے خدا کی ان رحمتوں کے قابل سمجھی جائے جو رحمتیں کبھی اس کی وساطت سے دُنیا کو ملا کرتی تھیں۔ کہ :-

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے

یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

(۳) ساحرین بنگال۔

پھر اسی احساسِ مرکزیت کا مظاہرہ وہ جوش و خروش تھا جو بنگال اسمبلی کے ایوان کے باہر کھلے میدان میں جمع شدہ لاکھوں مسلمانوں کی فطرتِ سیمابی میں کھولتے ہوئے گرداب کی شکل میں نظر آرہا تھا جو یہ سننے کے لئے ازخود بیتابانہ مستانہ وار وہاں اکٹھے ہوگئے کہ مولوی فضل الحق صاحب کی وزارت کے خلاف عدمِ اعتماد کی تحریک کا کیا فیصلہ ہوتا ہے، ہرچند اسلام کے ترازو میں انسان گنے نہیں جاتے تولے جاتے ہیں، اور اس لیے ہم اعداد و شمار کے بھی قائل نہیں۔ لیکن چونکہ آج دنیا نے اعداد و شمار ہی کو فیصلہ کا معیار قرار دے رکھا ہے۔ اس لیے یہ امر موجبِ ہزار طمانیت ہے کہ اس معیار کے مطابق بھی یہ ثابت ہوگیا کہ مولوی فضل الحق صاحب اپنی مومنانہ حق گوئی اور مجاہدانہ بیباکی کی بنا پر اپنے رفقائے کار کے دلوں میں کس قدر گھر کر چکے ہیں۔ ہم اس شیر بیشۂ جرأت و بسالت کی خدمت میں اس کامیابی پر پُرخلوص ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہیں جو خدائے قدوس کی اس بشارت کے اندر درخشندہ و تابناک موتیوں کی طرح نگاہوں کو خیرہ کر رہا ہے کہ :۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون۔ ان کنتم مومنین ۳/۱۳۸

مومنے بالائے ہر بالا ترے غیرتِ او برنتابد ہمسرے

اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ؎

رہے ہیں اور ہیں فرعون تیری گھات میں اکثر مگر کیا غم کہ تیری آستیں میں ہے یدِ بیضا

انشاءاللہ العزیز یہ عصائے موسوی ساحرینِ بنگال کی نظر فریب رسیوں کو ضرور نگل جائیگا۔ حق کی تو فطرت ہی یہی ہے کہ وہ باطل پر غالب ہے اور پوری سطوت و قوت کے ساتھ غالب رہے ؎

بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

---

(۴) مترفین پنجاب

لیکن بنگال کے مسلمانوں کی حیاتِ تازہ کو دیکھ کر روح میں جو بشاشت و شگفتگی پیدا ہوتی ہے وہ پنجاب کے مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر افسردگی و پژمردگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ پنجاب وہ خطہ ہے جہاں سے کبھی زندگی کے چشمے اُبلتے تھے اور آج جبکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی نگاہیں مرتکز ہو رہی ہیں۔ کہنے کو تو پنجاب میں بھی لیگ کے ارباب حل وعقد صاحبانِ سطوت وحکومت ہیں لیکن عملاً یوں نظر آتا ہے کہ یہ حضرات کھلے بندوں اس کا شاید اقرار بھی نہیں کرنا چاہتے کہ انکا لیگ سے کچھ واسطہ ہے۔ یہ حضرات (الا ماشاء اللہ) آسمان کی ان بلندیوں پر رہتے ہیں جہاں سطح ارض کے رہنے والے جمہور مسلمانوں کے تصور کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور خود یہ ان رفعتوں سے نیچے اُتر کر غریب جمہور سے روابط وضوابط پیدا کرنا غالباً اپنے علوِ مرتبت کے شایانِ شان نہیں سمجھتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ "طبقہ اعلےٰ" کا احساسِ عمل یا تو بالکل جمود و تعطل کی نذر ہو چکا ہے یا وہ اپنے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے حصول میں صرف کر دیا جاتا ہے اور جمہور مسلمان مختلف "شکاریوں" کے بس میں پڑے ہوئے ہیں جو ہر آن ایک نئے جال کی تار و پود کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ پنجاب لیگ کے اُن سربرآوردہ حضرات کی خدمت میں ہم باادب گزارش کریں گے کہ قوم کو کام کرنے والے "سپاہیوں" کی ضرورت ہے "آنریری جرنیلوں" کی ضرورت نہیں۔ ان حضرات کو ایک دفعہ کامل غور وخوض کے بعد اپنے مسلک کے متعلق پختہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ مسلمانوں کی جماعت کا کھلم کھلا ساتھ دینے میں یقیناً "دوسروں" کی طعنہ زنی بھی ہوگی۔ "فرقہ پرستی" کا لیبل بھی لگے گا۔ اکثر تنگ نظر دوستوں سے تعلقات بھی کشیدہ ہونگے۔ اور شاید اس سے زیادہ خطرات کا سامنا بھی ہو۔ اگر یہ اپنے دلوں میں حوصلہ پاتے ہیں کہ یہ سب کچھ برداشت کر لیں گے تو بسم اللہ قوم کی آنکھیں فرشِ راہ ہیں لیکن اگر وہ دیکھتے ہوں کہ اُنکے ذاتی مفاد و مصالح اس مسلک سے مانع ہیں تو کھلم کھلا الگ ہو جائیں۔ نہ اُن کو قوم سے حجاب کی ضرورت محسوس ہوگی نہ قوم اُن کی بابت دھوکے میں رہے گی۔ یہ مذبذبین کا "بین ذالک" مسلک نہ قوم کے حق میں اچھا ہے نہ خود اُنکے حق میں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی !
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی !

اے کاش ان حضرات کو کسی طرح اس رازِ حقیقت کا پتہ چل جائے کہ :-

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ۲۸

عزّت تمام اللہ اور اسکے رسول اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہوئے ہیں ہے

ہم منتظر ہیں کہ انکا طریقِ عمل کس فیصلہ کا پتہ دیتا ہے !

---

(۵) ایک اصُولی بحث :-

جب سے مُلک میں لیگ اور کانگریس کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے مسلم قوم پرست حضرات لیگ کی مخالفت میں یہی دلیل لاتے ہیں جس کا ذکر ہم نے ابھی ابھی اوپر کیا ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ چونکہ لیگ سرّدں اور نوابوں کی جماعت ہے اس میں ان لوگوں کی کمی ہے جنکے سینوں میں دل اور دلوں میں احساسِ ملی کی تڑپ ہو اور جن کی رگوں میں خون اور خون میں جوشِ حرارت ہو۔ اس لیے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ ہمیں اس طریقِ استدلال پر ہنسی بھی آتی ہے اور تاسف بھی۔ اس لیے کہ اس دلیل کو ذرا آگے بڑھائیے اور دیکھیئے کہ اسکا منطقی نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ سُنیئے! یہ چیز آج مسلمانوں کی زبان پر ہے۔ کہ مسلمان ہندوؤں سے ہر لحاظ میں پیچھے ہیں تعلیم میں، دولت میں۔ قربانی میں، فرائض شناسی میں۔ اطاعت میں، تنظیم میں، یک جہتی میں۔ عمل میں، قوت میں اور ان کے مقابلہ میں ہندوؤں میں یہ تمام جوہر بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر قوم پرست حضرات کی یہ دلیل محکم تسلیم کر لیجائے کہ لیگ چونکہ "بے عملوں" کی جماعت ہے اسلیئے اسے چھوڑ کر کانگریس میں شریک ہو جانا چاہیئے۔ تو اس سے کیا یہ بھی لازم نہیں آجائے گا کہ مسلمان چونکہ "بے عملوں" کی قوم ہے اسلیئے اسے چھوڑ کر ہندو قوم میں شامل ہو جانا چاہیئے؟ یعنی ان حضرات کے نزدیک بحث کا مدار اسلام اور ہندو مت کے اصولوں کی اچھائی اور بُرائی پر نہیں۔ بلکہ موجودہ مسلمانوں اور موجودہ

ہندوؤں کی حالت پر موقوف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل کس قدر کمزور ہے ہمیں تسلیم ہے کہ لیگ میں "بے عمل" انسان بھی موجود ہیں کمزور بھی ہیں۔ خود غرض بھی ہیں (اور ایسے لوگ کہاں نہیں ہیں کہیں تھوڑے کہیں زیادہ) لیکن سوال تو یہ ہے ہی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا اسلامی اصولوں کے مطابق مسلم و غیر مسلم کی متحدہ قومیت کا وجود عمل میں بھی آسکتا ہے؟ اگر ایسا ہونا از روئے اسلام جائز ہو تو بسم اللہ کانگریس میں یقیناً بلا مشروط شامل ہو جایئے لیکن اگر مسلمانوں کی الگ جماعت کا ہونا لابدی ہوا اور "متحدہ قومیت" کا تصور باطل ہو۔ تو پھر اس دلیل کی رو سے کانگریس کی شرکت کس طرح سے جائز ہو جائے گی کہ لیگ "بے عملوں" کی جماعت ہے۔ ہم ایک عرصہ سے مختلف اکابر قوم پرست مسلم حضرات کی تقریروں اور تحریروں کا ایک ایک لفظ دیکھ رہے ہیں کہ کہیں کسی جگہ انھوں نے اپنے مسلک کی تائید میں۔ یا لیگ کے وجود کی مخالفت میں کتاب و سنت سے کوئی سند پیش کی ہو لیکن ہماری آنکھیں چاروں طرف پھر پھرا کر مایوس واپس آجاتی ہیں۔ اگر کہیں استدلال ملتے ہیں تو اس انداز کے کہ ایک صاحب نے کہیں کہہ دیا کہ جواہر لال اور گاندھی مسلمانوں کے امام نہیں ہو سکتے! اسکے جواب میں لاہور کے ایک نو وارد قوم پرست مسلم اخبار نے لکھا کہ بے شک یہ لوگ نماز میں تو امام نہیں ہو سکتے لیکن سیاست میں امام ہو سکتے ہیں!!

یا مثلاً اسی اخبار میں ایک بہت بڑے مقتدر عالم دین قوم پرست مولوی صاحب کی ایک تقریر شائع ہوئی جس میں لکھا تھا کہ ایک صاحب نے اپنا اعتراض کیا کہ کیوں صاحب! جواہر لال۔ جو نہ صرف ہندو ہی ہے۔ بلکہ خدا کا بھی منکر ہے وہ مسلمانوں کا قائد کیسے ہو سکتا ہے۔ اسکے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ ذرا جناح کا فوٹو تو دیکھو۔ اگر جواہر لال قائد نہیں ہو سکتا تو جناح کیسے قائد ہو سکتا ہے!!! یعنی جواہر لال نہرو کی دہریت و کفر کا جواب جناح کا داڑھی منڈانا تھا۔ اور اس دلیل کے بعد یہ مقتدر عالم دین مطمئن ہو گئے کہ جواہر لال کی قیادت کا شرعی جواز مل گیا۔

ہم ان حضرات کی خدمت میں باادب گزارش کریں گے کہ خدا کے لیئے وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور پریشان حال مسلمانوں کو کم از کم اتنا تو بتا دیں کہ خدا و رسول کے احکام کے مطابق

وہ کون سا راستہ ہے جسے "ھٰذا صراطی مستقیماً" کہا گیا تھا طلوع اسلام کے گزشتہ چار پرچوں میں قومیت پرور حضرات کے مسلک کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں مختلف موضوعات کے ماتحت بحث کی جاچکی ہے لیکن اسوقت تک کسی ایک مسلم قوم پرور کی طرف سے کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ کیا انکے نزدیک یہ مسئلہ ایسا ہی غیراہم ہے کہ اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں یا (نعوذ باللہ) قرآن کریم ایسے اہم معاملہ میں مسلمانوں کی رہنمائی سے قاصر ہے اور اس کا حل ان کی اپنی اپنی مرضی پر چھوڑ رہا ہے!

واردھا کی تعلیمی اسکیم

"واردھا اسکیم" سے متعلق جناب رازی کا جو مضمون اگست کے پرچہ میں شائع ہوا ہے اُسنے مختلف طبقات میں ایک نمایاں ذہنی ارتعاش اور فکری حرکت پیدا کردی ہے مضمون کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ رسالہ کے علاوہ اسے الگ پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا جس کا پہلا ایڈیشن چند ہی روز میں ختم ہوگیا اور پھر دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔ اِس اسکیم کی بنیاد جیسا کہ آپنے اُس مضمون سے دیکھ لیا ہوگا۔ اس دعوے پر ہے کہ اس کی رو سے مذہب کو تعلیم سے خارج کردیا گیا ہے کیونکہ مذہب کی تعلیم جھگڑوں کا باعث ہوتی ہے۔ مہاتما گاندھی جو اس اسکیم کے موجد ہیں۔ بار بار اس امر کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب جنہوں نے اس اسکیم کی تفصیلات مرتب فرمائی ہے انھوں نے بھی شملہ کانفرنس کے دوران میں یہی چیز بتائی کہ اس اسکیم کو مذہبی تعلیم سے الگ رکھا گیا ہے۔ مذہبی تعلیم اپنے اپنے گھروں میں نجی کے طور پر دلائی جاسکتی ہے۔

•

اگر یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہوتا تو بھی مسلمانوں کے نزدیک اس قسم کی اسکیم جس سے مذہبی عنصر الگ کردیا گیا ہو۔ قابلِ قبول نہ ہوتی لیکن بوالعجبی یہ ہے کہ یہ دعوےٰ۔ باوجود اس قدر اہم ہونگی کے یکسر غلط ہے۔ دعوےٰ یہ ہے کہ اسکیم سے مذہب کو خارج کردیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس اسکیم

کی پُوری بُنیاد مذہب کے اوپر ہے۔ خود اس اسکیم کے اندر یہ بات موجود ہے۔ اور مہاتما گاندھی کے مختلف بیانات نے اس کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ:۔

(۱) بچوں کو اس بات کی تعلیم دی جائے گی کہ اہنسا کا طریق زندگی ہِنسا سے اچھا ہے اور تاریخ میں ان لوگوں کے کارنامے درخشندہ طور پر ان کے سامنے پیش کئے جائینگے جنہوں نے اہنسا کے ذریعے دُنیا میں کامیابی حاصل کی۔

(۲) بچوں کو یہ تعلیم دی جائے گی کہ:۔

(ا) تمام مذاہب اپنے اصولوں کے لحاظ سے سچے ہیں۔ اور کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

(ب) ظواہر و رسوم (یعنی شرائع) کا اختلاف کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ اختلاف مذہبی جھگڑوں کا باعث ہے۔

(ج) مذہبی تعلیم کسی کتاب کے ذریعے سے نہیں دی جائیگی۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ تعلیم جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کسی "مذہب" کی تعلیم ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ کون سا مذہب ہے؟

(۱) اہنسا کی صداقت کا مذہب ہند دیوگ کے فلسفہ کا نچوڑ ہے پتنجلی کے شاستر میں لکھا ہے کہ "اہنسا پرمو دہرم" ہے یعنی سب سے اعلیٰ مذہب اہنسا ہے۔ پھر بدھ مت اور جین مت کی اصل بھی یہی مذہب ہے۔ آج مہاتما گاندھی کے نزدیک تو دہرم ہی یہی ہے! ایسا دہرم کہ جسے وہ زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ جامعہ بابت ماہ جولائی ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۹۸ پر لکھا ہے۔

گاندھی جی نے نیشنل ایجوکیشن بورڈ کی پچھلی نشست میں یہ تقریر کی "اس وار دہا ٹریننگ اسکول کے قیام سے ہمارا مقصد آزادی حاصل کرنا ہے اور قومی بیماریوں کا مداوا تلاش کرنا۔ آج ہمارے قومی امراض میں سب سے شدید و مہلک چیز مذہبی تعصب ہے۔ اس کے خلاف ہمیں عدم تشدد کا حربہ چلانا ہوگا۔ ہمیں اپنے مسائل کا حل اہنسا کے اصول سے کرنا ہوگا ہمارے اسکولوں میں ریاضی۔ سائنس اور تاریخ کی تدریس عدم تشدد کے نقطۂ نگاہ

سے کی جائے گی"۔

(۲) شق دوم پہلی شق سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس لیئے کہ ہندوستان میں "برہمو سماج" ایک ایسا فرقہ موجود ہے جسکے اصول وہی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اُنکے مذہبی عقائد میں یہ باتیں شامل ہیں

(ا) ہر مذہب کے سچے اصولوں کو اعتقادی اصول مانا جائے۔

(ب) ظواہر و رسوم پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔ بلکہ مقصد اصلی قلبی صفائی کو قرار دیا جائے۔

(ج) اگرچہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد کسی کتاب پر نہ رکھی جائے لیکن ہر الہامی کتاب کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کیا جائے۔

(ملاحظہ ہو رسالہ تحفۃ الموحدین از راجہ رام موہن رائے۔ وانسائیکلو پیڈیا۔ برٹانیکا۔ وانسائیکلو پیڈیا اوف ریلیجنز اینڈ ایتھکس از ہسٹینگز)

اب آپ اندازہ فرمالیجئے کہ اس اسکیم سے نفسِ "مذہب" خارج کیا گیا ہے۔ یا کوئی خاص مذہب خارج کیا گیا ہے۔ اہنسا کی تعلیم ہندو شاستروں کی تعلیم ہے۔ بدھ مت اور جین مت (جو اب ہندو مت کے اجزاء بن چکے ہیں) کی تعلیم ہے۔ بالفاظ دیگر تمام ہندوؤں کی تعلیم ہے۔ اور دوسرا حصہ برہمو سماج کی تعلیم ہے۔ جو خود ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے ان سب کی تعلیم تو اس اسکیم میں موجود ہے اور یہ اعلان کیے جا رہے ہیں کہ مذہبی تعلیم کو اس اسکیم سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اس میں البتہ شبہ نہیں کہ اسلام کی تعلیم کو واقعی اس سے خارج کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں نہ تو "اہنسا پرمو دہرم" ہے اور نہ ہی "برہمو سماج" کی عالمگیر سچائی ہی اصل مذہب ہے۔ کیا ہم مہاتما گاندھی اور جناب ڈاکٹر صاحب سے اتنا دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ان کے دعوے میں اور اس حقیقت میں مطابقت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے

پھر ایک اور بات بھی بڑی عجیب ہے۔ مہاتما گاندھی نے اپنے بیان مطبوعہ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۷ جولائی میں فرمایا ہے کہ میں اس بات کو بڑا خطرناک اور مہلک سمجھتا ہوں کہ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا اپنا مذہب دوسرے مذاہب پر برتری رکھتا ہے۔ لیکن اہنسا کے متعلق ایک تو شاستروں میں یہ موجود ہے کہ یہ "پرمو دہرم" (یعنی سب سے اعلیٰ مذہب) ہے اور دوسرے

خود اس اسکیم میں یہ درج ہے کہ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ اہنسا کا طریقۂ زندگی ہنسا سے اچھا ہے اور ان دونوں کا مقابلہ کرکے بتایا جائے کہ اہنسا میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور ہنسا میں کیا کیا برائیاں کیا دوسرے لفظوں میں یہ وہی بات نہیں کہ بچوں کے ذہن نشیں کرایا جائے کہ ایک خاص مذہب (اہنسا کا مذہب) دوسرے مذہب (غیر اہنسا کے مذہب) سے اعلےٰ اور ارفع ہے۔ اور اہنسا کا مذہب چونکہ ہندوؤں کا مذہب ہے اور اہنسا اور ہنسا کا مذہب مسلمانوں کا مذہب ہے اس لئے بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ ہندو مذہب، اسلام سے اعلےٰ اور برتر ہے +

اور اس پر یہ دعوےٰ ہے کہ واردھا اسکیم سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا گیا ہے۔

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

یہ مضمون اس قدر مقبول ہوا کہ علیحدہ پمفلٹ میں چھپوایا گیا جسکے تمام نسخے صرف ایک ہفتہ میں ختم ہو گئے اب یہی پمفلٹ دوبارہ طبع کرایا گیا ہے اور قیمت وہی ایک آنہ رکھی گئی ہے۔ اس پمفلٹ نے علم دوست اور ملت نواز اصحاب کی آنکھیں کھولدی ہیں اور اس کی عام اشاعت کو وقت کی ایک اہم خدمت [illegible] رکیا جارہا ہے۔ جلد منگایئے۔ ورنہ پھر نہ ملے گا۔ قیمت ایک آنہ محصول ڈاک کے علاوہ ہے ایک نسخہ کے لیے دو آنہ کے ٹکٹ ارسال فرمایئے۔

منیجر:۔ طلوع اسلام بلی ماران دھلی

اطلاع دیجئے کسی صاحب نے عرصہ دو ماہ کا ہوا دفتر طلوع اسلام میں کچھ روپے ارسال کئے تھے۔ کوپن پر پتہ درج نہ تہا اس لیے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون صاحب ہیں اور کہاں رہتے ہیں خیال ہے کہ روپے علیگڈھ سے آئے تھے اگر یہ سطور ان صاحب کی نظر پڑ جائیں تو براہ کرم دفتر کو روپے کی تعداد سے اطلاع دیں اور یہ بھی لکھیں کہ روپے کس مد میں ارسال فرمائے ہیں۔ دفتر اُن کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

(منیجر:۔ طلوع اسلام بلیماران دہلی)

دامانِ باغباں

(دَیدَکاوِر)

امریکہ کے شعبۂ تعلیم میں ایک نیا تجربہ کیا جا رہا ہے جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ عام طریق تعلیم کے لحاظ سے درسگاہوں میں طلبار کی تقسیم جماعت بندی کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ایک جماعت کے تمام طلبار کو ایک ہی قسم کی تعلیم دی جاتی ہے اور بچوں کی مختلف ذہنی استعداد کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ امریکہ کے ماہرین تعلیم نے اس طریق تعلیم کے نقائص پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس سے وہ بچے جو دماغی صلاحیت کے اعتبار سے اوسط درجہ کے طلبار سے کہیں فائق ہوتے ہیں خواہ مخواہ کم استعداد والے بچوں کے ساتھ جکڑے رہتے ہیں جس سے اُنکی طبع دراک یا تو رفتہ رفتہ کچلی جاتی ہے یا وہ اسے کسی دوسرے شعبہ کیطرف منتقل کرکے تباہ کر دیتے ہیں۔ اس خیال کے پیش نظر انھوں نے بچوں کی ذہنی استعداد کے امتحان کے لئے مختلف طریقے وضع کئے ہیں اور مختلف درسگاہوں کے بچوں کا امتحان لیکر وہ ایسے بچوں کو الگ کر لیتے ہیں جن کی ذہانت و فطانت عام بچوں سے بلند ہوتی ہے۔ آٹھ سے گیارہ سال تک کی عمر کے بچوں پر اس کا عمل کیا جاتا ہے اور اوسطاً دس ہزار بچوں سے پچاس بچے اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ ان بچوں کو وہ ایک الگ درس گاہ میں منتقل کر دیتے ہیں جہاں ان کی مجموعی تعداد پانصد کے قریب رہتی ہے۔ غربت اور امارت اس انتخاب میں کہیں اثر انداز نہیں ہوتی اور اس جدید درس گاہ میں تمام منتخب شدہ بچوں کے ذہنی رجحانات کے مطابق اعلیٰ ترین تعلیم دینے کے انتظامات موجود ہوتے ہیں۔ اب اندازہ فرمائیے کہ اس قسم کی تعلیم کے بعد یہ بچے کیا بنکر نکلینگے؟

یہ وہ بچے ہوں گے جن کے ہاتھوں میں قوم کی تقدیریں ہوں گی +

(بحوالہ لٹریری ڈائجسٹ - بابت ۱۹ فروری ۱۹۳۸ء)

رہے ہیں زندہ قوموں کے کارنامے اور دوسری طرف ہماری درس گاہیں بھی ہیں۔ مذہبی درس گاہیں کہ جہاں نصاب تعلیم وہ ہے جو آج سے تین سو برس پیشتر مرتب ہوا تھا اور جس میں کسی تبدیلی کا خیال بھی "مداخلت فی الدین" سمجھا جاتا ہے اور دنیاوی درسگاہیں کہ جن کے متعلق حضرت اکبر مرحوم نے فرمایا کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا — افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ظہر الفساد فی البر والبحر۔ خشکی اور تری میں فساد ہی فساد۔ اسے کہتے ہیں

گبریل ڈانزیو (GABRIEL DANUNZIO) اٹلی کا مشہور قومی شاعر تھا جس کا انتقال حال ہی میں ہوا ہے۔ شاعر بھی تھا۔ اور فوج میں جرنیل بھی۔ بہ حیثیت جرنیل اس کا سب سے مشہور کارنامہ یہ تھا کہ جب جنگ عظیم کے خاتمہ پر اتحادی آپس میں صلح کی شرائط طے کر رہے تھے تو اٹلی کیطرف سے یہ مطالبہ پیش ہوا کہ فیوم (FIUME) کی بندرگاہ۔ جو آسٹریا۔ ہنگری کے قبضہ میں تھی اور جسے اتحادی یوگو سلاویہ کے حوالہ کرنا چاہتے تھے۔ اٹلی کو دیدی جائے۔ اتحادی مُصر تھے کہ یہ بندرگاہ یوگو سلاویہ کو ملنی چاہیئے معاملہ زیر غور تھا لیکن ان "قومی شاعر" صاحب نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ سے فیوم پر دھاوا بول دیا اور بندرگاہ پر بزور قبضہ کر لیا۔ گو بعد میں انہیں شہر خالی کرنا پڑا +

امریکہ کے رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" (بابت فروری ۱۹۳۸ء) میں ان کے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ شائع ہوا ہے جو اس عظیم الشان اور جلیل القدر جرنیل کی دماغی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے پر یہ ایک وسیع و عریض کوٹھی میں رہتے تھے۔ جس کے میدان میں انھوں نے ایک تباہ کن کشتی کا اگلا حصہ نصب کرا رکھا تھا جس میں ایک بڑے دھانے کی توپ لگی ہوئی تھی ان کا عزیز ترین مشغلہ یہ تھا کہ جب کبھی تہوار آتا تو خوب گولے چلاتے۔

ایک دفعہ ایک جرمن تاجر نے ان کی کوٹھی کے مقابل اپنی کوٹھی تعمیر کی اور اسے گلابی رنگ کرایا فیوم کے ہیرو کو یہ رنگ پسند نہ آیا اور جرمن تاجر (یعنی کوٹھی کے مالک) کو کہلوا بھیجا کہ رنگ تبدیل کردو

اس نے کہا کہ کوٹھی میری ہے۔ جیسا جی چاہے میں اسپر رنگ کراؤں۔ کسی کو اس میں کیا دخل ہے!
جرنیل صاحب نے یہ سُنا تو اسے الٹی میٹم دیدیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر رنگ تبدیل کر دو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ جرمن نے پھر پرواہ نہ کی لیکن دوسرے دن صبح اُٹھ کر اُسنے دیکھا کہ جرنیل صاحب توپ کا رُخ اُس کی کوٹھی کیطرف کئے ہوئے ہیں اور مُلازم اُسکے پاس گولوں کا ڈھیر لگا رہا ہے۔ وہ گھبرایا اور جرمنی سفارت خانہ میں ٹیلیفون کیا۔ وہاں سے پولیس کو اطلاع دی گئی۔ پولیس نے معاملہ وزارتِ داخلہ کے سامنے پیش کیا۔ وہاں سے حکم آیا کہ جرمن تاجر کو اپنی کوٹھی کا رنگ بدلنا پڑیگا البتہ اسکے اخراجات اطالوی حکومت ادا کردے گی۔

(جس قوم کے شاعرِ اعظم اس طبیعت کے مالک ہوں وہ قوم اگر جنبش کو یوں ہڑپ کر جائے تو کون سی تعجب کی بات ہے قوم کا دل و دماغ شاعر ہی تو ہوتا ہے)

حال ہی میں مسٹر روم لینڈو کی ایک کتاب بعنوان "تلاش فردا" (SEARCH FOR TOMORROW) شائع ہوئی ہے جس میں اس نے ان سیاسی اور مذہبی رُجحانات کا ذکر کیا ہے۔ جو اُسنے عرب فلسطین ٹرکی وغیرہ کی سیاحت کے دوران میں محسوس کئے حجاز میں وہ سُلطان ابن سعود سے بھی ملا۔ اور اُن سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ سُلطان نے اُسے بتایا کہ وہ اپنے تمام سیاسی اُمور کی بُنیاد مذہبی معتقدات پر رکھتے ہیں اور اُن کا ایمان ہے کہ کسی مُلک کی حکومت بہتر نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس حکومت کی بنا اسلامی اُصولوں پر نہ رکھی جائے۔ اُنھوں نے فرمایا:۔

"اسلام کے متعلق غیر مسلم اجنبی بالعموم غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں اسلام تو تمام مذاہب عالم میں سب سے زیادہ عملی مذہب ہے۔ اسلام کے ہاں اِس کی کوئی مخالفت نہیں کہ تم موٹریں اور ریڈیو ایجاد کرو اور اُنہیں استعمال میں لاؤ۔ جب تک کوئی ایجاد یا اصلاح نبی اکرمؐ کی تعلیم کے اُصولوں سے متصادم نہیں ہوتی۔ اسلام اُس کی کبھی مخالفت نہیں کریگا۔ بلکہ وہ تو ان ایجادات و اصلاحات کے حق میں ہے۔ کیونکہ اسلام مادی

اور روحانی ہر دو شعبۂ حیات کی ترقی کا موید ہے۔

ہم مغربی تہذیب کے صرف مادی فوائد سے متمتع ہو سکتے ہیں کیونکہ اہل مشرق مغربی تہذیب کے روحانی پہلو کے قائل ہی نہیں ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُن کی تہذیب یکسر روحانیت سے عاری ہے۔"

سلطان کے نزدیک دول عربیہ کا باہم اتحاد ایک لاینفک ضرورت ہے۔ ایسا اتحاد جس میں اپنے اندرونی معاملات میں اپنی اپنی طرز حکومت ... آزاد ہوگی لیکن تمام ریاستیں ایک مرکزی جماعت کے واسطے سے باہمدگر پیوست ہونگی۔

مسٹر لینڈ نے سوال کیا کہ اس بارے میں سعودی عرب حکومت کا خیال ہے کہ وہ مشرق کی روحانیت اور مغرب کی مادیت کے اتصال کا ذریعہ بن جائے۔ اسکے جواب میں سلطان نے کہا۔

"ہر اسلامی ملک کا یہ مشن ہونا چاہیئے کہ وہ ایسا کرے کیونکہ اُس کی کامیابی کا انحصار مغربی مادیت کے تعاون پر ہے ہم حقیقی کامیابی اسی صورت میں حاصل کر سکتے ہیں جبکہ ہم اہل مغرب کے سامنے حقایق اسلامی کو پیش کر سکیں اور انہیں اپنے متعلق صحیح صحیح حالات سے آگاہ کر سکیں اور دوسری طرف اہل مغرب کے انداز معاشرت کے متعلق از خود معلومات حاصل کریں۔" (بحوالہ جان اوف لندن۔ مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء

پتہ میں غلطی نہ کیجئے

بعض حضرات پتہ میں صرف دفتر "طلوع اسلام دہلی" لکھ دیتے ہیں جس سے خطوط کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے بلکہ اس وجہ سے اب تک بہت سے خطوط ضائع بھی ہو چکے ہیں اس لیے قارئین سے گزارش ہے کہ خط و کتابت میں پورا پتہ اس طرح لکھا کریں۔ "دفتر رسالہ طلوع اسلام بلیماران دہلی"

بصائر

(ادارہ)

ہندوستان کے سوا دنیا کی تمام حکومتیں ملکی اور وطنی حکومتیں ہیں۔ افغانستان پر افغانیوں کی حکومت ہے۔ ایران میں ایرانیوں کا پرچم لہرا رہا ہے۔ ترکی میں ترک نوجوانوں کا اقتدار قائم ہے۔ اسی طرح انگلستان، جرمنی، اٹلی، فرانس اور چھوٹی موٹی حکومتیں اپنے ہی باشندوں کے حسن انتظام سے چل رہی ہیں اور ہر جگہ قصۂ زمین بر سر زمین کا معاملہ نظر آتا ہے۔ لیکن ایک صرف ہندوستان ہے جس پر ایک ایسی قوم کی حکومت قائم ہے جس کو اس سرزمین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یا وہ چند مقامات ہیں جہاں عرب آباد ہیں لیکن نوآبادیات کے نام سے اپنے فرانس۔ اٹلی اور انگلستان حکومت کر رہے ہیں چنانچہ آجکل آزادی اور غلامی کی تعریف ہی یہ ہو چکی ہے کہ جس ملک کی عنانِ حکومت اسکے باشندوں کے ہاتھ میں ہو وہ آزاد ہے اور جس پر دوسرے ملک کے باشندے حکمران ہوں وہ غلام ہے۔ کمزور قوموں پر اجنبی مگر قوی قوموں کی حکومت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا چلا جائیگا دیکھنا صرف یہ ہے کہ اقوام غالب کی حکومت کے اجزائے ترکیبی کس انداز کے ہونے چاہئیں کہ مغلوبوں کو اپنا احساس مغلوبی ایک لمحہ کے لیئے نہ ستائے بلکہ وہ اپنی مغلوبی کو خدا کی نعمت تصور کرنے لگیں یا بالفاظ دیگر دنیا میں وہ کونسی اجنبی حکومت ہے جسکے اپنی رعایا کے ساتھ اس قسم کے تعلق ہوں کہ اس حکومت کے استحکام و استبقار کے لیئے انکے دلکی گہرائیوں سے دعائیں نکلیں؟ موجودہ زمانہ میں تو ہمکو کوئی ایسی حکومت۔ کوئی ایسا نظام اور کوئی ایسی قوت نظر نہیں آتی کہ اگر وہ اس بدیشی ملک کو چھوڑ کر جانے لگے تو رعایا اسکے قدم پکڑ لے اور رو رو کر استدعائیں کرے کہ خدا کے لیئے آپ یہاں سے نہ جائیں خدانہ کرے کہ آپکے سایہ سے ہمارے سر محروم ہو جائیں! آپ کہیں گے کہ ایسا ہونا تو قطعاً محال ہے۔ غالب قوم کا ملک چھوڑ کر چلے جانا تو مغلوبوں کے لیئے فرحت و انبساط کا سامان ہوتا ہے! ایسا احمق کون ہے جو اجنبی قوت کے چلے جانے سے زار و قطار روئے اور ماتم سرائی میں مشغول ہو جائے! بلاشبہ یہ محال ہے مگر ساتھ ہی واقعہ اور حقیقت بھی ہے اور تاریخ نے

اپنے اوراق میں اس کو محفوظ کر لیا ہے مگر یہ واقعہ ان ہی غالب قوموں کیساتھ پیش آیا جنکی حکمرانی اپنی نہیں بلکہ اللہ کی تھی۔ جو فی الحقیقت "عبادی الصالحون" کے مصداق تھے اور جو راعی اور رعایا میں تفریق کرنا "ان الحکم الا للہ" کے منافی سمجھتے تھے۔ یقین نہ آئے تو تاریخ ایران کے اس درخشاں عہد پر نظر ڈالیئے۔ جب خدا کے پاک اور صالح بندوں نے وہاں حکومت الٰہیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔

حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں اسلام نے چار دانگ عالم پر اپنا وسیع شامیانہ پھیلایا اور مجاہدین کی جرار فوجیں ریگستان عرب سے نکلکر سمندروں کو پار اور خشکی تری کو عبور کر کے ایرانی سرحدوں پر پہنچیں ایک طرف ایرانیوں کے جاہ وجلال سے مقابلہ تھا دوسری طرف قیصر کی مسیحی سلطنت کے ارکان بادیہ نشینان عرب کے قدموں سے متزلزل ہو رہے تھے۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے رومیوں کے بہت سے مقامات فتح کر ڈالے اور اسطرح رومیوں کی حلقہ بگوشی اور ذلیل قسم کی غلامی سے لاکھوں انسانوں کو آزادی وحریت بخشی عربوں کا یہ فاتحانہ اقدام رومیوں کے مقابلہ میں اسمعی دنیا تڑپ اٹھی اور قیصر نے حزب اللہ سے مقابلہ کے لئے ایک جرار لشکر تیار کیا حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ہمراہ اسوقت حمص میں مقیم تھے انھوں نے اطلاع پاکر "وامرھم شوری بینھم" کے مطابق مجاہدین سے رائے طلب کی۔ مجاہدین نے مشورہ دیا کہ حمص میں قیام پذیر رہکر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ فرمایا اتنا وقت ہے کہاں؟۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق کو اپنا مستقر بنایا جائے کیونکہ ایک تو وہاں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید موجود ہیں اور دوسرے وہاں سے عرب کی سرحد بھی قریب ہے۔ جب ارادہ پختہ ہو چکا اور حمص چھوڑنے کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے حبیب بن مسلمہ کو جو خزانہ کے افسر اعلیٰ تھے بلایا اور فرمایا کہ دیکھو غیر قوموں سے جو جزیہ (ٹیکس) وصول کیا جاتا ہے وہ اس معاوضہ میں ہوتا ہے کہ دشمنوں سے انکی جان و مال کی حفاظت کی جائے افسر خزانہ نے کہا بیشک! فرمایا۔ تو اس نازک حالت میں ہم انکی حفاظت کا ذمہ کسطرح لے سکتے ہیں؟ اس لئے ان سے جو کچھ وصول کیا گیا ہے انکو واپس کر دیا جائے! جنگ کا موقعہ ہے روپیہ اور خزانہ کی سخت ضرورت ہے مجاہدین ملک سے دور ہیں مگر امیر جیش حکم دیتا ہے

کر رعایا کا روپیہ واپس کردو! رعایا بھی مسلمان نہیں۔ عیسائی اور یہودی! مرکز (امیر) سے حکم ملتے ہی کئی لاکھ کی رقم واپس کر دی گئی! رقم ملتے ہی یہودیوں اور عیسائیوں کو یقین ہو گیا کہ اب مسلمان حمص میں نہیں ٹھہر سکتے۔ اصولاً ان کو مسلمانوں کے اس "فرار" سے خوش ہونا چاہیے تھا۔ وہ مسرت کے مارے اچھلتے کودتے اور خدا کا شکر ادا کرتے کہ اُسنے نہایت آسانی سے مسلمان جیسی "خونخوار" اور "جزیہ" لینے والی "قوم کو یہاں سے نکالا۔ اور ہماری غلامی میں (آزادی) تبدیلی ہو گئی، مگر دیکھو عیسائیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور یہودی الگ کھڑے رو رہے ہیں۔ عیسائی رقت سے اور کہتے تھے کہ مسلمانو! خدا تم کو پھر واپس لائے۔ اللہ تم کو پھر ہمپر حکومت کرنی نصیب کرے۔ یہودی الگ کھڑے توریت کی قسم کھا رہے تھے کہ جب تک ہم زندہ ہیں قیصر، حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ قبضہ تو تمہارا ہی ہوگا اللہ کرے تم جلد واپس آؤ۔ انھوں نے اپنی قسم کو اس طرح پورا کیا کہ حمص کے پھاٹک بند کر لیے تاکہ قیصر کی فوجیں اس میں داخل نہ ہونے پائیں۔

جب یہودیوں کو روپیہ واپس دیا گیا تو انھوں نے سالارِ اسلام سے مخاطب ہو کر کہا

"خدا کی قسم اگر عیسائی تمہاری جگہ ہوتے تو مال و متاع کو لوٹ کر ہم کو ذلت کی موت مارتے اور ہماری آبرو خاک میں ملا دیتے"

سچ ہے ان الارض یرثہا عبادی الصالحون۔ ان ہی پاک انسانوں کو سلطنت اور حکمرانی کا حق تھا کیونکہ سلطنت اُن کی نہ تھی۔ بلکہ خدا کی تھی۔ انھوں نے غیر ملکی ہوتے ہوئے دوسرے ممالک کو فتح کیا مگر کبھی اپنے آپکو رعایا سے اونچا نہ سمجھا کبھی عیش و آرام کی زندگی بسر نہ کی کبھی رعایا کا گلا نہ گھونٹا کبھی عالیشان محلوں میں نہ رہے انھوں نے حکومت کی تو خدا کی مخلوق کے فائدہ کے لیے روپیہ جمع کیا تو بھوکوں بیواؤں اور یتیموں کے لیے۔ قوت حاصل کی تو فتنہ و فساد روکنے اور عدل و انصاف پھیلانے کے لیے۔ اور یہی وہ چیز تھی کہ انکی روانگی پر ایک طرف عیسائی اشک بار ہیں اور دوسری طرف یہودی دعائیں دے رہے ہیں۔ یہ ہے رعایا کے دلوں پر حکومت کرنا۔ اور ان سے لینا اور ان ہی کو دینا۔ خدا کی رحمتیں ہوں ان پاکباز انسانوں پر جنہوں نے صالح سلطنت کی بنیا ڈالی۔

رُعبِ فرنگ

(جناب اسد ملتانی)

دانشورِ افرنگ کی تحقیق ہے اب تک
بڑھتی نہیں بازیگریِ علم کی حد سے

کچھ صاف سی باتوں میں نہیں کہتا ہے سچائی
تا جھوٹ بھی بچ جائے شک و ریب کی زد سے

ہے دل میں نہاں ان کے ابھی تک وہ تعصب
میراث میں پایا جو صلیبی اب و جد سے

اس میں کبھی انصاف سما ہی نہیں سکتا
جو سینہ کہ معمور ہے دیرینہ حسد سے

دیکھو تو مسلمان کی اس سادہ دلی کو
مرعوب ہے افرنگ کے معیارِ خرد سے

وہ چشم تو بینا ہی نہیں میری نظر میں
دیکھے جو فقط غیر کی آنکھوں کی مدد سے

کیا ایسے مسلماں کا ایمان بھی ہے ایمان ؟
مانے جو محمدؐ کو فرنگی کی سند سے

تقریظات

مرثیۂ اقبال

شاعرِ اسلام جناب اسد ملتانی کا "مرثیۂ اقبال" طلوعِ اسلام کے جون کے پرچہ میں شائع ہو چکا ہے اس کے بعد اُن کی دوسری نظم "غمِ اقبال" کے عنوان سے جولائی کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ جناب اسد نے اپنی ایک وجد آفریں نظم بتقریب "یومِ اقبال" ۹ر جنوری ۳۸ء کو لاہور میں پڑھی تھی۔ ادارۂ روزنامہ شمس۔ ملتان شہر نے ان ہر سہ نظموں کو یک جا ایک دیدہ زیب پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا ہے جسکے شروع میں جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز (بی اے) کے "چند الفاظ" بطور تعارف درج ہیں۔ جناب اسد کی شاعری اور جناب پرویز صاحب کی نثر نگاری قارئین طلوعِ اسلام کے لئے محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ پمفلٹ کی طباعت و کتابت عمدہ۔ کاغذ نخبتہ۔ اور سرورق جاذبِ نظر ہے۔ اور ادارۂ مذکورہ بالا سے تین آنہ میں مل سکتا ہے۔ ادارۂ مذکور مستحق مبارک باد ہے کہ اس نے ان گراں مایہ جواہر ریزوں کو یوں محفوظ کر دیا۔ ہمیں آج تک جس قدر اطلاعات موصول ہوئی ہیں اُن میں بیک زبان اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرتِ علامہ مرحوم کی وفات پر جو کچھ لکھا گیا ہے جنابِ اسد کا مرثیہ ان میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ضرورت تھی کہ اسے الگ بھی شائع کیا جاتا۔

(مسلسل)

(الٰہ مسلسل) معارف القرآن

انسان کی سب سے بڑی دکھتی رگ اس کا رزق ہے کسی قوم کا دوسری قوم پر غلبہ و استیلاء ہوتا ہی اسوقت ہے جب وہ قوم کمزوروں کے رزق کے دروازوں پر اپنا تسلط جما لیتی ہے ایک انسان دوسرے کے سامنے جھکتا اسوقت ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ میری روٹی اسکے ہاتھ میں ہے لیکن وہ قرآن جو کسی سرکش طاقت کے سامنے جھکنا انسانیت کی ذلت قرار دیتا ہے اور یہی چیز شرک سمجھاتی ہے، رزق کے دروازوں کی چابیاں انسانوں کے ہاتھ سے چھین کر خدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے لہذا اسکے سوا اور کون الٰہ ہوسکتا ہے۔ کونسی ہستی ہوسکتی ہے جسکے سامنے جھکا جائے +

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۳۵/۳

اے نوع انسانی! تم پر جو اللہ کے احسانات (نعماء) ہیں اُن کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے۔ جو تم کو زمین اور آسمانوں سے رزق پہنچاتا ہے! (۳۵/۳) اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ سو تم کہاں اُلٹے جارہے ہو۔

فرعون نے اپنی خدائی کے ثبوت میں یہی دلیل پیش کی تھی کہ:

انا ربکم الاعلیٰ ۷۹/۲۴ میں تمہارا سب سے بڑا پرورش کرنیوالا ہوں

اسی ربوبیت۔ اِسی رزاقی کا ادعا سرکش قوتوں کے دماغ میں خدائی و کبریائی کا خناس پیدا کردیتا ہے اور یہی دعویٰ غلط و باطل ہے۔ رزاقی اور ربوبیت صرف اُس ایک ذات کے لئے زیبا ہے جسے الٰہ واحد کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ملک و سلطنت سب اُسی کی ہے (انسانوں کو تو اس لیے دی جاتی ہے کہ اُس کی مرضی کے مطابق انتظامات کرتے رہیں اِس کی تفصیل حکومت کے عنوان میں ملے گی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ ۳۹/۶

یہ ہے تمہارا اللہ۔ تمہارا رب (پرورش کرنیوالا) ملک (سلطنت) اسی کے لئے ہے
اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں (۵۴) سو تم کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو؟

رزق کے بعد سب سے بڑا خوف جو انسان کو دوسرے کے سامنے جھکاتا ہے۔ موت کا ڈر ہے، اصنامیات یونان کے دیوتاؤں اور ہندوستان کی دیویوں میں اکثریت انہی کی ہے جن کے سامنے موت کے خوف سے جھکا جاتا ہے اور مستبد قوتیں موت ہی کے پھندے سے حق کہنے والوں کا گلا گھونٹتی ہیں لیکن قرآن کریم نے یہ اختیار بھی انسانوں یا دیوی دیوتاؤں سے چھین کر خدا کے سپرد کر دیا فرمایا:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ ۴۴/۸

اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے۔ وہی مارتا ہے (۵۵) تمہارا رب
اور تمہارے آبا و اجداد کا رب ٭

پھر وہ ایسا الٰہ نہیں کہ کسی خاص خطۂ زمین والوں کا ہی الٰہ ہو اور دوسرے خطۂ ارض والوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، مختلف ممالک کے مختلف دیوتا ہے کہ مختلف گاؤں کے مختلف دیوتا، پوجے جاتے ہیں لیکن اسلام کا الٰہ وہ الٰہ حقیقی ان جغرافیائی حدود و قیود سے بلند و بالاتر ہے، وہ تمام روئے زمین کا واحد الٰہ ہے مشرق و مغرب کا ایک خدا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۷۳/۹

مشرق و مغرب کا رب[1]۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس اسی کو کارساز بنا ؤ۔
حتیٰ کہ زمین و آسمان پستیوں اور بلندیوں میں وہی الٰہ واحد ہے۔

---

[1] کپلنگ کہاں ہے تاکہ دیکھ لے کہ مشرق و مغرب یوں آپس میں ملا کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۴۳/۸۴

اُسی کی ذات آسمان (بلندی) میں بھی الٰہ ہے۔ اور اسی کی ذات ارض (پستی) پر بھی الٰہ، (۵۷) اور وہ حکمت والا، علم والا ہے +

یہ تو رہی جغرافیائی تقسیم، لیکن دُنیا میں مختلف ممالک کیطرح مختلف قبائل کے خدا، مختلف اقوام کے خدا، مختلف گروہوں کے خدا الگ الگ ہوتے ہیں لیکن اسلام کا الٰہ ان تنگ نظریوں سے بہت بلند ہے یعنی وہ :-

اِلٰهِ النَّاسِ ۱۱۴/۳ تمام نوع انسانی کا مشترکہ الٰہ (۵۸)

ہے بلا لحاظ رنگ نسل۔ قوم، ملک، سب کا ایک خدا، ایک الٰہ لہٰذا جب الٰہ ایک ہے تو تمام نوعِ انسانی ایک مشترکہ برادری ہے جس میں نسلی یا وطنی تفریق و تمیز کو کوئی دخل نہیں اس عالمگیر برادری اس اخوت بشری کا تصور قرآن کریم کے الٰہ کے تصور سے ہی پیدا ہو سکتا ہے اور یہی دینِ فطرت ہے یہ چیز ہمیں قرآن کریم نے ہی بتائی ہے کہ تمام نوع انسانی کی تخلیق نفسِ واحد سے ہوئی ہے۔ لہٰذا تمام انسان ایک ایسی عالمگیر برادری کے افراد ہیں جو رشتۂ توحید سے بندھی ہوئی ہے

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۳۹/۶

اس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا پھر اس (نفس) سے (انسان) کا جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لیے چار پاؤں کے آٹھ جوڑے پیدا کیے (اس کی تشریح اپنی جگہ آئے گی) تمہیں ماؤں کے ارحام میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے۔ تین تاریکیوں میں یہ ہے اللہ تمہارا رب اُسی کی سلطنت ہے اُسکے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پھر تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟

پھر اس ایک الٰہ پر ایمان لانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان دوسرے انسان کے ساتھ معاملات میں اس چیز کو پیش نظر رکھے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے۔ اس کی مکافات۔ اسکا بدلہ۔ اس کی جزا و سزا

لازمی ہے اس صحیح ایمان سے دُنیا میں فتنہ وفساد باقی نہیں رہ سکتا کہ جب آپ اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کرینگے تو جھگڑا پیدا ہی کیسے ہوگا، یہ تمام فتنہ سامانیاں پیدا ہی اس نظریے سے ہوتی ہیں کہ قوت اور طاقت والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ لیکن جو قرآن کریم کے الٰہ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی ایسا نہیں سمجھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ۝ ۴/۸۷

اللہ وہ ہے جسکے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہ یقیناً تمہیں قیامت کے دن جمع کریگا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ (۵۹) اور خدا سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟

آپ نے دیکھ لیا کہ دُنیا نے جن جن اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھ کر الگ الگ معبود تجویز کر رکھے ہیں اسلام نے ان تمام صفات حسنہ کو سمیٹ کر ایک ذاتِ واحد میں جمع کر دیا ہے۔ اس الٰہ حقیقی کا تعارف قرآن کریم نے اُسوقت کرایا جب کہ دنیا میں کہیں اس کا سچا نشان نہیں ملتا تھا اور یہ اس لیے کہ قرآن کریم خود اس الٰہ کیطرف سے دُنیا کو ملا ہے۔ کسی انسان کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ فرمایا:۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ۶/۱۰۶

جو تیرے رب کیطرف سے تجھ پر وحی کیا جاتا ہے اُس کی اتباع کر۔ اُسکے سوا کوئی الٰہ نہیں اور مشرکین سے اعراض کر

وہ قرآن جو اس الٰہ حقیقی کیطرف سے علم الٰہی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

فَاعْلَمُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۱۱/۱۴

پس یقین مانو کہ یہ (قرآن) علم الٰہی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں تو کیا تم سر تسلیم خم نہیں کرو گے!

فرشتے اس پیغام توحید کو لے کر نازل ہوتے تھے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا

اِنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ ۱۶/۲

وہ فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے تاکہ وہ آگاہ کردیں (یعنی اُن کو حکم دیا جاتا ہے) کہ وہ ایسا کہیں کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ سو مجھ سے ڈرتے رہو ۔

اور اسی تعلیم کو نوعِ انسانی تک پہونچانا اور اُسکے ذریعہ سے فطرت خوابیدہ کو بیدار کرنا، قرآن کریم کا مسلک ہے۔ ارشاد ہے +

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۱۴/۵۲

یہ نوعِ انسانی کے لیے ایک واضح مضمون ہے۔ (احکام کا پہونچانا ہے) تاکہ اُسکے ذریعہ (فطرتِ انسانی کو) آگاہ کردے اور تاکہ یہ لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے، اور تاکہ صاحبانِ علم اس سے (فطرت کے بھلائے ہوئے سبق کو) یاد کرسکیں

یہ ہے وہ الٰہ جسکے سامنے جھکنا زیبا ہے اور اسکے علاوہ کوئی دیوی دیوتا۔ کوئی تقدس وعظمت کا پیکر انسان ایسا نہیں جسکے سامنے جھکا جائے یا جسکے حضور جاکر قربانیاں پیش کی جائیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ ۲۲/۳۴

اور ہم نے ہر قوم کے لیے قربانی (یا طریق عبادت و قربانی) مقرر کر رکھی تھی تاکہ وہ ان چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے اُن کو عطا فرمائے ہیں سو تمہارا الٰہ وہی ایک الٰہ ہے۔ سو اسی کے سامنے جھکو اور اس طرح جھکنے والوں کے لیے خوشخبری ہے

پھر قرآن کریم کا یہ مسلک نہیں کہ وہ کسی عقیدہ کو عقل و بصیرت کے خلاف اندھا دُھند ٹھونسنا چاہتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ عقل صحیح اور قلب سلیم کو اپیل کرکے عقیدہ کو منواتا ہے اُسنے جب ایک الٰہ کیطرف دعوت دی ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ (نعوذ باللہ) دوسرے مذاہب یا دیگر اقوام کے "خداؤں" کی پرستش ہوتے

دیکھ نہیں سکتا تھا، بلکہ اس لیئے کہ حقیقت ہی یہی ہے کہ الٰہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ کوئی دوسرا الٰہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اسکے لیئے وہ دلیل محکم رکھتا ہے۔ اس چیز کے بیان کرنے کے بعد کہ یہ لوگ اِدہر اُدہر کے معبود بنا لیتے ہیں (۲۱/۲۱) فرمایا:-

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ؀ ۲۱/۲۲

اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ بھی ہوتا تو یہ ارض و سما (یہ سلسلۂ کائنات) درہم برہم ہو جاتا۔ سو اللہ ربّ العرش ان باتوں سے پاک ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں

دوسری جگہ اس اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ؀ ۲۳/۹۱

اور اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا، اور نہ اسکے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا۔ اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ سو اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو لوگ بیان کرتے ہیں۔

دیکھنے میں تو یہ دلیل ایک مختصر سے فقرے میں آ گئی لیکن معنوی اعتبار سے اس کے اندر اہم حقائق پوشیدہ ہیں اگر آپ اس نظامِ عالم کے ربط و ضبط پر دقّتِ نظر سے غور کریں گے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ عظیم الشان سلسلہ ایک خاص نظام کے ماتحت چل رہا ہے اور اس محیّر العقول مشینری کے مختلف پرزوں میں ایک خاص یک جہتی اور باہمی تعلق پایا جاتا ہے یہ ہوش رُبا کارخانہ اس نظم و نسق کے ساتھ کبھی چل ہی نہیں سکتا تا وقتیکہ اس کے پیچھے ارادہ و مشیت صرف ایک نہ ہو اس کو قابو (CONTROL) میں رکھنے والی طاقت ایک نہ ہو۔ اگر اسکے پیچھے کہیں مختلف ارادوں والی دو قوتیں بھی موجود ہوں تو یہ نظام کبھی ایک سیکنڈ کے لیئے نہ چل سکے۔ اگر مثلاً سورج کی رفتار اور گردش میں ایک ثانیہ کے ہزارویں حصہ کا بھی فرق پڑ جائے تو یہ نظامِ شمسی ایک آن واحد میں

پاش پاش ہو جائے۔ اور چونکہ آج سائنس کے انکشافات نے یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ اس سلسلۂ کائنات کی جو چیزیں بظاہر ایک دوسرے سے الگ تھلگ، غیر متعلق اور آزاد نظر آتی ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے پیوست اور باہمی مربوط و منوط ہیں تو ظاہر ہے کہ اگر کہیں دو یا اس سے زیادہ مستقل بالذات، بالارادہ قوتیں اپنے اپنے اختیار و ارادہ کے ساتھ اس نظام عالم کا بندوبست اپنے اپنے ہاتھ میں لے لیں تو نتیجہ کیا ہوگا! قرآن کریم کا حسنِ بلاغت ملاحظہ ہو اس نتیجہ کے لیے ایک جامع لفظ استعمال فرمایا۔ لَفَسَدَتَا۔ اور اس لفظ کے اندر اس "دو عملی" یا طوائف الملوکی کے نتائج کی صحیح صحیح تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے، جب کسی نظام کی ہر شے اپنے اپنے ٹھکانے پر صحیح ہیئت میں سرگرم عمل ہو تو اس حالت کا نام اعتدال ہوتا ہے۔ اور فساد کے معنی ہیں اعتدال کی حالت کا بگڑ جانا، کسی سلسلہ کا درہم برہم ہو جانا۔ پریشان و پراگندہ ہو جانا۔ ہر چیز کا اپنے ٹھکانے سے اکھڑ جانا، بے ربط ہو جانا، یہ ہے فساد جو ایک سے زائد مشیت و ارادہ کے کارفرما ہونے سے پیدا ہوتا ہے، ریل گاڑی کے انجن میں دو مختار کل ڈرائیور بٹھا دیجئے۔ اور پھر تصور میں لائیے اس منظر کو جو ان کے اپنے اپنے ارادوں کو عمل میں لانے سے پیدا ہوگا۔ لَفَسَدَتَا کی تفسیر سمجھ میں آجائے گی۔ یہ متعدد خداؤں کا تصور (خواہ وہ مستقل بالذات ہوں۔ جیسے اہرمن و یزداں یا ایک خدا، برہما، کے مختلف کارندے ہوں۔ جیسے دیوی دیوتا۔ یا اس کی قوتوں کے مختلف مظاہر جیسے شیو۔ وشنو وغیرہ) یہ سب تصورات ذہن انسانی کے عہد طفولیت کی یادگار ہیں، جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ نظام عالم کے مختلف شعبے الگ الگ کام کرتے ہیں، ان میں باہمی کوئی ربط نہیں، ہوائیں اپنی قوت سے چلتی ہیں اس لیے وایو دیوتا کی ضرورت ہے۔ بارش اپنے زور سے ہوتی ہے۔ اس لیے اندر دیوتا کی ضرورت ہے۔ پیدائش، زندگی موت الگ الگ شعبے ہیں اور ان سب کے الگ الگ انچارج ہیں، لیکن عقل انسانی جب اپنے عہد بلوغت میں، جوانی کے زمانے میں ان معتقدات اور تصورات کی حقیقت کو اپنے مشاہدات و تجربات کی رو سے بے نقاب کر دیا اور انسان نے بچشم خود ملاحظہ کر لیا کہ ع

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

تو آج اس عقیدہ کی کہاں گنجائش کہ نظامِ عالم ایک سے زیادہ ارادوں کے ماتحت چل رہا ہے اور چونکہ قرآن کریم انسانی علم و عقل کی انتہائی بلندیوں تک اس کی رہبری کرنے کے لیے ملا ہے اس لیے قرآنی حقایق علم و عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کیلئے ہیں۔ جہل اور توہم پرستی کا ساتھ دینے کے لیے نہیں۔ اور جب یہ ذات اس قدر غیر محدود قوتوں اور لاانتہا اختیارات کی مالک ہے تو اسے اس چیز کی بھی ضرورت نہیں کہ مختلف ایجنٹ، مختلف کارندے، اسکے دستِ بازو بنیں اس کا ہاتھ بٹائیں، نظم و نسقِ عالم میں مختلف شعبوں کے انچارج ہوں۔ یہ تو رہی عالمِ طبعی کی کیفیت اور اگر انسان کی تمدنی، عمرانی اور معاشرتی زندگی میں دیکھا جائے تو متعدد خداؤں کے عقیدہ سے جس قسم کا فساد رونما ہوتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے اس دورِ حاضرہ کا نمونہ سب سے مؤثر قرار دیا جا سکتا ہے، یہ تمام فتنہ و فساد۔ یہ عدم اطمینان و فقدانِ سکون کی آگ محض اس لیے ہے کہ انسانوں نے الگ الگ معبود تراش رکھے ہیں۔ اور ہر ایک معبود دوسرے معبود سے برسرِ پیکار ہے یوں تو دنیا آج بالعموم خدا کی منکر ہے لیکن ایک حقیقی الٰہ کے انکار سے دنیا نے ہزاروں غیر حقیقی الٰہ بنا رکھے ہیں (ان خداؤں کی تفصیل کہیں آگے ملے گی) انسان جس عالمگیر مواخات کی تلاش میں یوں سرگرداں ہے، اس کا سُراغ صرف اس ایک عقیدہ میں ہے کہ تمام ممالک کا، تمام اقوام کا، تمام انسانوں کا خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ دنیا کو اسی کے قوانین کے ماتحت چلنا چاہیے۔ اس ایمان کو پیدا کر دیجیے پھر دیکھیے کہ یہ تمام فساد امن میں تبدیل ہو جاتا ہے یا نہیں۔ فساد تو اس لیے ہے کہ ایک سے زیادہ الٰہ ذہنِ انسانی انگیز کر رکھے ہیں۔ اٹلی کا الٰہ روس والوں کو نہیں جینے دیتا روس کا الٰہ جرمن والوں پر دھاوا بول رہا ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی "مخلوق" اپنے اپنے گروہ کو لے کر ایک دوسرے پر چڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا لَفَسَدَتَا۔ ہر جگہ فساد ہی فساد ہے کوئی پرزہ اعتدال پر کام نہیں کر رہا۔ یہ بھی فساد کی تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اور جس سے آج کسی کو انکار نہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے شرک کی اس شدت سے مخالفت کی ہے کہ شرک سے کوئی

نظام اپنی اصلی حالت پر قایم ہی نہیں رہ سکتا۔ تاکید پر تاکید ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور الہ نہ تجویز کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۵۱/۵۱

اور اللہ کے ساتھ کوئی اور الہٰ مت بناؤ۔ یقیناً میں اس کی طرف سے تمہیں صاف صاف آگاہی دینے کے لیے آیا ہوں ٭

اس لیے کہ سرمدیت اور ابدیت صرف اسی ایک الٰہ کے لیے ہے۔ قدیم صرف اسی کی ذات ہے ہر ایک قوت فنا ہو جانے والی ہے۔ بقا صرف اسی کو ہے، اور نظام عالم کو چلانے کے لیے قوت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے جو فنا پذیر نہ ہو۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۲۸/۸۸

اور اللہ کے ساتھ دوسرا الہٰ مت پکارو۔ اسکے سوا کوئی اور الہ نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر شے فنا ہو جانیوالی ہے (۱)، حکومت صرف اسی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹکر جانا ہے۔ ۲۸/۸۸

نہ روح قدیم ہے نہ مادہ۔ نہ کوئی اور ذات ایسی ہے جو اس حکومت اور اختیار میں اُس کی شریک ہو

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ ۵۲/۴۳

کیا اُن کے لیے اللہ کے سوا اور معبود بھی ہے! اللہ انکے شرک سے پاک ہے ٭

چونکہ یہ تمام قوتوں کو ایک ذات میں مرکوز کر دینے کا اعتقاد نظم و ضبطِ عالم اور ہم آہنگی و یکجہتی کائنات کی حقیقت پر مبنی تھا۔ اور یہ حقیقت ذہن انسانی کو ایک نئی چیز معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے جب انکے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا گیا تو وہ بے حد متعجب ہوئے، کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور کونسی

---

(۱) Command

ایسی حقیقت ہے کہ علم و بصیرت نے اسے انسان کے سامنے پیش کیا ہو اور جہل اور توہم پرستی نے اس سے انکار نہ کیا ہو!!

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ ۳۸/۵

ہیں! کیا یہ ان تمام خداؤں کو ایک خدا بنا رہا ہے؟ یقیناً یہ تو ایک بڑی تعجب خیز بات ہے،

اور اس عقیدہ کو (نعوذ باللہ) ایک مہمل شے سمجھ کر حقارت کی ہنسی ہنستے تھے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۳۷/۳۵

یہ وہ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ تو تکبر کیا کرتے تھے

اور اس کے پیش کرنے والے کو (معاذ اللہ) دیوانہ بتاتے تھے:۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ ۳۷/۳۶

اور کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر مجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں

لیکن قرآن کریم نے ان کے اس انکار و اعراض کی کوئی پرواہ نہیں کی اس لیے کہ اسے علم تھا کہ ذرا علم و عقل کو ترقی کرنے دیجئے۔ انسانوں کی نگاہوں کے سامنے ذرا راز کائنات کھلنے دیجئے۔ یہ خود بخود ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس نظام کے پیچھے مشیت ایک ہی کارفرما ہو سکتی ہے۔ دو نہیں، متعدد نہیں

اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۵/۹۶

جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں۔ انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا

(کہ حقیقت کیا ہے)

اسی لیے قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ لوگ جو ایک سے زیادہ معبودوں کے قائل ہیں ان کے پاس اپنے اس دعوے کی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۝ ۲۱/۲۴

کیا انہوں نے خدا کے علاوہ اور معبود اختیار کر رکھے ہیں! کہئے کہ آؤ اپنی دلیل لاؤ!

دیکھئے کتنا بڑا دعویٰ ہے اور کس قدر سچا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مناظرہ میں ایک مشرک کسی توحید پرست کے

مقابلہ میں بڑے بڑے دلائل و حجج پیش کر رہا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مناظرہ میں وہ توحید پرست ساکت بھی ہو جائے لیکن مناظرہ تو اپنی اپنی علمیت اور قوت بیان کے مظاہرے کا اکھاڑہ ہوتا ہے خدا کے اس چیلنج سے تو یہ مفہوم ہے کہ جب علم و بصیرت کی فراوانی ہو جائے۔ حقائق بے نقاب ہو جائیں تو اُسوقت کوئی مشرک اپنے مسلک کی تائید میں کوئی دلیل لائے! اُسوقت اُسے کوئی دلیل نہیں مل سکے گی کہ توحید حقیقتِ ثابتہ ہے، ظن و قیاس نہیں۔ دلیل و بُرہان مانگنے کا حق بھی اُسی کو پہنچتا ہے جو علم و حقائق کی ان بلندیوں تک پہنچ چکا ہو۔ ورنہ قرآن کے دعاوی تو ہمالیہ سے بھی زیادہ محکم اور اٹل ہیں۔ اوپر کی آیت میں بُرہان طلب کی ہے۔ یہ بھی ایک انداز بیان ہے یہ کہنے کا کہ اُن کے پاس کوئی بُرہان نہیں ہے اسی کو دوسری جگہ یوں واضح کر دیا:۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۲۳/۱۱۷

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود پکارتا ہے تو اُسکے پاس اس (عقیدہ کے اثبات میں) کوئی دلیل نہیں ہو سکتی ۲۳/۱۱۷

اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ چونکہ اس عقیدہ کے مُدعی کے پاس کوئی دلیل و بُرہان نہیں ہے، اس لیے حقائق منکشف ہو جانے کے بعد یہ لوگ خود محسوس کر لیں گے کہ وہ کس قدر بڑی غلطی پر جمے بیٹھے تھے۔ اور اسوقت اس شکستِ پندار سے جو اُن کی کیفیت ہوگی وہ ظاہر ہے شرک کی حقیقت اسوقت کھلتی ہے جب انسان اپنی عظمتوں سے واقف ہو جائے۔ جب اسکے جوہر ذاتی کی قیمت اُس کی نگاہوں کے سامنے آجائے، تو اُسوقت اُسے معلوم ہوتا ہے کہ ان حقیر چیزوں کو خدا بنا کر اُس نے اپنے آپ کو کس قدر ذلیل بنا رکھا تھا، اس علم کے بعد اُس کے دل کی کیفیت ہوگی وہ ظاہر ہے بشرطیکہ قلب میں صحیح احساس موجود ہو۔ اسی لیے فرمایا:

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۲۲/۱۷

(ترجمہ)

(اے انسان) خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود تجویز نہ کر۔ ورنہ تو راندہ ہوا، (ذمیمہ ہوا)

بے یار و مددگار رہ جائے گا۔ (ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے گا)۔ $\frac{17}{22}$[1]

دوسری جگہ ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِي جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا $\frac{17}{39}$

اور خدا کے ساتھ دوسرا معبود مت اختیار کر ورنہ الزام خوردہ راندہ ہو کر جہنم میں
پھینک دیا جائے گا

سورۂ شعرا میں ہے:۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ○ $\frac{26}{213}$

اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود مت پکارو۔ ورنہ تو ان میں سے ہو جائے گا۔ جو
عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں

سورۂ ق میں ہے۔

نِ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ $\frac{50}{26}$

جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیتا ہے اُسے سخت عذاب میں ڈال دو ۔۔۔

یہی وجہ ہے کہ عباد الرحمٰن۔ خدا کے بندے کبھی کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھکتے۔ کہ وہ اپنی اصلیت سے آگاہ ہوتے ہیں

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ $\frac{25}{68}$

وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسرا الٰہ تجویز نہیں کرتے۔۔۔

ایسے عباد الرحمٰن کی مثال کے طور پر اصحاب کہف کو پیش کیا گیا ہے۔ انھوں نے تہیّہ کر لیا کہ وہ خدا کے سوا کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھکیں گے! استبداد بھلا ایسے جذبات کی پرورش ہوتے کب دیکھ سکتا ہے! اور ارباب مذہب اپنے خداؤں کے خلاف اس قسم کا نعرۂ بغاوت کب گوارا کر سکتے ہیں! پتہ نہیں ان نوجوانوں کے خلاف کیا کیا سازشیں ہوئی ہوں گی کہ وہ بستی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے

---

[1] (LEST THOU SIT DOWN REPRESSED, FORSAKEN)

تفصیل آپ کو اصحاب کہف کے عنوان میں ملے گی، فرمایا:۔

وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ
قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ ١٨/١٥،١٤

اور ہم نے اُنکے دل مضبوط کردیئے، جب وہ (عزم راسخ سے) اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے برملا کہہ دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارینگے ورنہ اس صورت میں تو ہم بڑی بے جا بات کریں گے اور اس ہماری قوم کو دیکھئے! انھوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں (کے جواز میں) کوئی کھلی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ سو اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو خدا کیخلاف جھوٹی تہمت باندھے

اور ایک اصحابِ کہف کے زمانہ پر ہی کیا موقوف ہے۔ اپنے آپ کو خدا منوانے والوں نے ہمیشہ یہی کیا ہے۔ فرعون نے حضرتِ موسےٰ کو ایسی ہی دھمکی دی تھی۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ ٢٦/٢٩

اُس نے کہا کہ اگر میرے سوا تم نے کوئی اور معبود بنایا تو یاد رکھو، یقیناً تمہیں جیل میں بھجوا دوں گا۔

اور نشۂ قوت وحکومت میں یہ طنز ملاحظہ ہو۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فَاَوْقِدْ لِيْ
يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ
لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ٢٨/٣٨

فرعون نے کہا کہ اے سرداران! میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں سمجھتا۔ پس اے

ہامان تم ہمارے لیے مٹی کی اینٹیں بنا کر ان پر آگ جلاؤ (پکاؤ) ان کو پڑاوہ میں،
پھر میرے لیے ایک بلند مینار بناؤ۔ تاکہ میں اُس پر چڑھ کر موسےٰ کے خدا کو جھانکوں
اور میں تو اُسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں

دوسری جگہ ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۲۴-۳۶

فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لیے ایک بلند مینارہ بنادے تاکہ میں آسمان کی
راہوں تک پہنچ جاؤں، پھر وہاں جاکر موسےٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو اُسے
جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ۲۴-۳۶

لیکن اس فرعونیت کا انجام بھی ملاحظہ فرماتے جایئے اور پھر دیکھیے کہ لَا بُرْهَانَ لَهٗ (مشرک کے دعوے کا
بلا سند ہونا) کس قدر حقیقت پر مبنی ہے، جب اپنی بے بسی ظاہر ہو گئی تو کتنی جلد ہی یہ حقیقت سامنے
آگئی کہ واقعی الٰہ ایک ہی ہو سکتا ہے اور اس الٰہ کی صفات بھی وہی ہونی چاہئیں۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۱۰

حتےٰ کہ جب وہ (فرعون) ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس خدا کے جس پر
بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اور کوئی الٰہ نہیں ہے اور میں جھک جانے والوں میں سے ہوں

یہ تو تھا جیتے جاگتے انسان کو خدا بنا لینا لیکن جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، شرک کی حقیقت ایک ہے
لیکن اس کے مظاہرے کی شکلیں مختلف ہیں کہیں یہ بت پرستی کی شکل میں بھی سامنے آتا ہے جیسا کہ
بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ سے درخواست کی تھی کہ حضور ہمیں بھی ایک ایسا خدا بنوا دیجیے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ
قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ ۷-۱۳۸

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اُتار دیا، سو ان کا ایک ایسی قوم کے پاس
گذر ہوا جو اپنے بتوں (کی عبادت) پر جمے بیٹھے رہتے تھے وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ
ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دیجیے جیسے اُن کے خدا ہیں موسےٰ نے کہا کہ
تم (واقعی) بڑی جاہل قوم ہو۔

اُن کی اس جہالت پر دلیل بھی مُلاحظہ فرمایئے حضرت موسےٰ نے فرمایا:۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ـ ۷/۱۴۰

کہا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور معبود تجویز کردوں حالانکہ اس نے تم کو تمام
جہان والوں پر فضیلت عطا کی ہے

بُت پرستی کے خلاف کیا عجیب دلیل پیش کی گئی ہے! کہا گیا ہے کہ کمبختو! تمہیں تو اللہ نے تمام دنیا جہان، تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ بنا لیا ہے اور تم اپنی حقیقت سے بے خبر ایک پتھر کے بُت، ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز، کے سامنے جھکتے ہو، ذرا سوچو تو سہی کہ تم خود کیا ہو، اور چاہتے کیا ہو! بُت پرستی۔ یا اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا، انسان کا اپنی خودی، اپنی حقیقت نفس سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ اپنی کم مائگی اور حقیر زی کا اعتراف ہے۔ ذرا پہچانو تو سہی کہ تمہاری اپنی قیمت کیا ہے اور تم اس بے بہا جوہر کو کس درجہ حقیر و ذلیل کر رہے ہو۔

کافر دل آوارہ دگر بارہ بادبند ٭ بر خویش کشا دیدہ و از غیر فرو بند
دیدن دگر آموز ندیدن دگر آموز!

لیکن قوم موسےٰ بھی ایک گونہ سچی تھی۔ صدیوں کی غلامی سے وہ کیفیت ہو چکی تھی جو مثنوی مولانا روم کی اس شیر کی ہو گئی تھی جو بھیڑوں میں رہتے رہتے اپنے آپ کو بھی بھیڑ ہی سمجھنے لگ گیا تھا۔ اُن کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے نہ آسکتی تھی کہ حضرت موسےٰ کیا کہتے ہیں۔ یہ خوئے غلامی میں پختہ ہو چکے تھے یہی وجہ تھی کہ حضرت موسےٰ کی اس قدر حقیقت کشا تعلیم اور انقلاب انگیز تربیت کے باوجود انہیں جونہی ذرا مہلت ملی حضرت موسےٰ کی آنکھ سے ذرا اوجھل ہوئے اور جھٹ وہیں جا گرے جہاں سے انھیں اٹھایا تھا۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ۝ ۲۰/۸۸

پھر اس (سامری) نے اُن کے لیے ایک بچھڑا (بنا کر) پیش کیا جو ایک قالب تھا جس میں (بے معنی سی) آواز تھی۔ سو وہ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ یہ ہے تمہارا اور موسےٰ کا اِلٰہ، موسےٰ تو (یونہی) بھول رہا ہے (جو کسی اور اِلٰہ کی طرف دعوت دیتا ہے) ۔ ۔ ۔

اور حضرت موسےٰ نے پھر اس مورتی کو حوالہ گرداب کیا۔

وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۲۰/۹۷

اور (اے سامری) تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما بیٹھا تھا (دیکھ) ہم اسے ابھی جلا دیں گے اور پھر اُس کی راکھ کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔

تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت کھُل جائے کہ یہ معبود کس قدر بے بس تھا اور انسان اسکے مقابلہ میں کتنی قوت اپنے اندر رکھتا ہے۔

اصنام پرستی کے علاوہ شرک کے مظاہرے کی کئی اور صورتیں بھی ہیں۔ مجوسی دو مستقل خدا مانتے ہیں ایک نیکی کا خدا۔ ایک بُرائی کا۔ ایک نُور کا خدا، ایک ظلمت کا، قرآن کریم نے اس عقیدہ کی بھی تردید فرمائی

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۱۶/۵۱

اور اللہ نے کہا ہے کہ دو معبود مت بناؤ معبود وہی ایک ہے سو تم لوگ خالص مجھ ہی سے ڈرو

کہ یہ تو صرف نظر کا پھیر ہے جو ظلمت کے لیے ایک الگ خدا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے ؎

میرے ساقی نے عطا کی ہے مے بے دُرد و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے میں ہے

(تفصیل کے لیے دیکھو شرک خیر و شر)